INTERNATIONAL CONFERENCE OF WRITERS & INTELLECTUALS
ISLAMABAD PAKISTAN

پاکستان کے صوفی شعراء

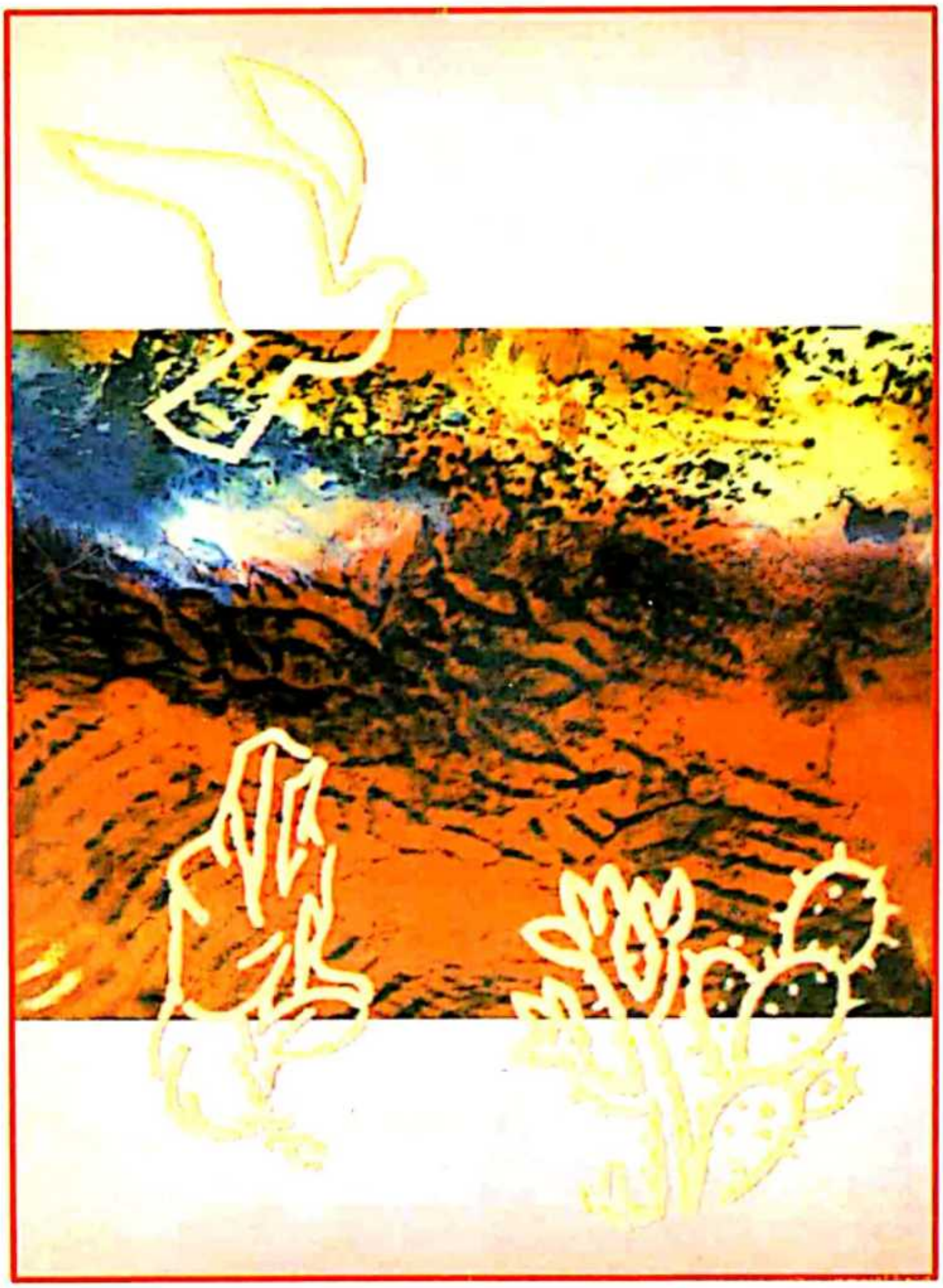

اکادمی ادبیات پاکستان
اسلام آباد، پاکستان

PDF By :

Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell Number : +92 307 2128068

Facebook Group Link :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/

پاکستان کے صوفی شعرا

پاکستان کے صوفی شعراء

مدیر اعلیٰ:

فخرزمان

مدیر منتظم:

خالد اقبال یاسر

مرتبین:

سعیدہ درانی

راشد متین

پیش کردہ

[illegible]

اکادمی ادبیات پاکستان،
اسلام آباد، پاکستان

اس کتاب کے جملہ حقوق بنام اکادمی ادبیات پاکستان، محفوظ ہیں

نگران اعلیٰ : فخر زمان
منتظم : خالد اقبال یاسر
تزئین وطباعت : طارق شاہد
سال اشاعت : 1995 (اشاعت اول)
2009 (اشاعت دوئم)
تعداد : 500
ناشر : اکادمی ادبیات پاکستان،
H-8/1، اسلام آباد
مطبع : کلاسیک، لاہور
قیمت (پاکستان میں) : مجلد -/425 روپے
پیپر بیک -/400 روپے
(بیرون ملک) : 15 ڈالر (امریکہ)
: 6 پونڈ (برطانیہ)

Pakistan Kay Sufi Shuara
(Urdu Translation)

Chief Editor
Fakhar Zaman

Published by
Pakistan Academy of Letters

Islamabad,Pakistan.

فہرست

پیش لفظ	فخر زمان	۷
تعارف		۹
بابا فرید گنج شکر		۲۹
شاہ حسین		۵۵
مخدوم شاہ عنایت		۸۱
خوشحال خان خٹک		۹۷
سلطان باہو		۱۳۳
رحمان بابا		۱۶۷
بلھے شاہ		۲۰۹
شاہ عبداللطیف بھٹائی		۲۵۵
جام درک		۳۱۳
سچل سرمست		۳۳۹
طوق علی مست		۳۵۵
میاں محمد بخش		۳۷۵
خواجہ غلام فرید		۴۲۱
سائیں احمد علی		۴۶۵
کتابیات		۴۷۹

پیش لفظ

پاکستان ایک نیا ملک ہے مگر یہاں کی زمین بہت قدیم ہے۔ یہ درحقیقت وادی سندھ سے شروع ہونے والی تہذیب کی امین ہے۔ اب بھی جب ہم کسی عجائب گھر میں رکھے ہوئے فن پاروں اور ثقافتی نمونوں کے سامنے رکتے ہیں تو ہمارا ذھن قبل تاریخ کے، گندھارا اور موہن جوڈارو کی طرف جاتا ہے کیونکہ زمانہ بعید کی تصدیق عجائب گھروں ہی میں ملتی ہے۔

اس سرزمین پر جابجا صوفیائے کرام کے مزار ہیں۔ لوگ صدیوں سے بڑی تعداد میں ان کی زیارت کو آتے اور لافانی نغمے گاتے ہیں، جو ان کے دلوں کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ جب کوئی شخص سندھ میں شاہ عبداللطیف، شاہباز قلندر اور سچل سرمست کے مزاروں پر جاتا ہے۔ لاہور میں مارچ کے آخر میں میلہ چراغاں دیکھنے جاتا ہے یا سندھ کے دوسرے علاقوں میں جاتا ہے تو زمانوں پہلے، صوفیائے کرام کے کہے ہوئے خوبصورت الفاظ اس کے کانوں میں مانوس سی نغمگی بکھیرتے ہیں۔ اپنے عام فہم معانی و مطلب کی وجہ سے ان الفاظ کو ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھ لیتا ہے اور دانشوران کے گہرے فلسفے کی وجہ سے ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان پورے اعتماد کے ساتھ انہی خوبصورت الفاظ کو ان سینکڑوں پڑھنے والوں کے لئے بھی پیش کر رہی ہے جو ان کی اصل زبان نہیں سمجھ سکتے۔ اسی اعتماد کے ساتھ ہم نے بہت سی ایسی تصانیف جن میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے شہہ پارے (سندھی)۔ وارث شاہ کی ہیر (پنجابی)۔ خوشحال خان خٹک (پشتو)۔ جام درک (بلوچی) کا اردو میں ترجمہ بھی شائع کیا۔ ہم نے ان میں سے کچھ شاعروں کے کلام کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

میں اس موقع پر ان تمام احباب کا مشکور ہوں جنہوں نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ پہلے افتخار عارف، اکادمی ادبیات پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جنرل، جن کی نگرانی میں یہ کام مکمل ہوا۔ دوسرے راشد متین جنہوں نے بے حد تحقیق کے بعد شعراء کے تراجم کو یکجا کر کے مرتب کیا، پروف خوانی کی اور دوسرے بہت سے معاملات میں معاون ثابت ہوئے۔ میں خاص طور پر ان اصحاب کا مشکور ہوں جنہوں نے انہی شہہ پاروں کے تراجم دوسری زبانوں میں کیے ان کے نام متعلقہ زبانوں کے ترجمہ شدہ ایڈیشن میں دیے گئے ہیں۔ ہماری تمام کتابوں کی اشاعت اور طباعت میں طارق شاہد نے نمایاں کارکردگی انجام دی ہے، میں ان کی محنت اور لگن کو سراہتا ہوں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے خاموش کارکن ہیں جن کے تعاون کے بغیر کتاب کی بروقت اشاعت ممکن نہ تھی، میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فخر زمان

تعارف

پاکستان کے صوفیائے کرام کی شاعری

پاکستان کی سرزمین اعلیٰ ادب و فلسفہ کی روایات کی حامل رہی ہے۔ اگر قبل اسلام کی تمام میراث جس میں سنسکرت کے ماہرین حرف و نحو بے حد مشہور ہیں، علیحدہ کر دیا جائے پھر بھی اسلام کے آنے کے بعد اتنا بہت کچھ موجود ہے جس کی قدر شناسی کرنا چاہئے۔ جدید دور سے قبل شاعری ہی خیالات کے اظہار کا بڑا ذریعہ تھی۔ یہ شاعری پنجابی، سرائیکی، پشتو، سندھی اور بلوچی میں موجود ہے اور مقامی اسلامی ادبی روایات کو سمجھنے اور جاننے کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس شاعری کے سرسری جائزے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ یا تو مسلمان صوفیائے کرام نے تخلیق کی ہے۔ یا انہوں نے جو ان کے خیالات اور نظریات سے بے حد متاثر تھے۔

لہٰذا پاکستان کی اس فلسفیانہ شاعری کے متعلق بات کرنے سے پہلے اسلامک صوفی ازم کی تاریخ کے ارتقاء پر نظر ڈالنی چاہئے۔

ابتدا۔ روایات کے مطابق آنحضور صلعم کا اللہ سے استغراق بھی عارفانہ شعور کا حصہ تھا اور آپؐ نے حضرت علی ابن ابی طالب کو ان دقیق پوشیدہ مسائل سے آگاہ کیا۔ حضور صلعم کے ایک صحابی حضرت سلمان فارسی کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایرانی صوفیائے کرام کے سلسلے کے بانی تھے۔ کچھ لوگ حضرت اویس القرنی جو کہ یمن میں رہتے تھے اور آنحضورؐ کو دیکھے بغیر ان کے دل و جان سے معتقد تھے، صوفی تصور کرتے ہیں اور انہیں بعد میں آنے والے صوفیائے کرام کے روحانی پیشوا سمجھتے ہیں۔ ان روایات کے ساتھ ساتھ ابو نعیم الاصفہانی کی کتاب "حکایات الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کا پہلا قابل تسلیم جداگانہ طرز زندگی اور دینوی نظریات کا حامل گروہ جو کہ صوفیائے کرام کہلائے آٹھویں صدی میں بصرہ اور کوفہ سے پھیلے۔

درویش۔ ابتدا کے درویشانہ روایات کے حامل صوفیاء میں حسن البصری۔ رابعہ الاداویہ بصری۔ فضیل ابن ایاز۔ ابراھیم بن ادھم۔ ذوالنون المصری۔ ابو یزید البستامی۔ ابوالقاسم الجنید بغدادی اور دوسرے صوفیاء شامل ہیں جن کے تذکرے فرید الدین عطار کی کتاب "تذکرۃ الولیا" میں درج ہیں۔ ان میں سے بہت سوں نے حکمرانوں کے ظلم و ستم اور دولتمندی کے خلاف مزاحمت کی، غربت اور خلوت پر زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً انہوں نے سرکاری عہدے قبول کرنے سے انحراف کیا اور دنیا سے کنارہ کشی کے طرز زندگی کو اپنایا جس سے تصوف اور صوفی ازم نے جنم لیا۔ داتا گنج بخش، علی ہجویری کے مطابق تصور کی روح صفا (پاکیزگی) سے

حاصل کی جاتی ہے اور صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو پاک وصاف رکھتا ہے۔

صوفیائے کرام کا مرکزی تصور فقر اور توکل (توکل اللہ) ہے جس کا منطقی نتیجہ دنیا سے کنارہ کشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صوفیا، غربت اور تنگی میں مسرور رہے۔ خراساں کے ایک صوفی شفیق ابرکی نے فاقے سے ظاہر ہونے والی تجلیات کا ذکر کیا۔ علی ہجویری نے بھی حقیقی صوفیا کو پیوند لگے کپڑے پہننے کی تائید کی مگر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر ایسے کپڑے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرنے اور لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے پہنے جائیں تو بیکار ہیں۔ کچھ صوفی تو ترک دنیا میں اتنے انتہا پسند ہوتے ہیں کہ مجرد رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور جب ان کا کوئی رشتہ دار مرتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر عطار۔ فضیل ابن ایاز کے متعلق یہ روایت بیان کرتا ہے کہ ''تیس سال سے فضیل کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا ماسوائے اس دن کے جب اس کا بیٹا مرا جب وہ مسکرایا۔'' جناب یہ ہنسنے کا کونسا موقع ہے؟'' کسی نے پوچھا۔ ''میں نے محسوس کیا کہ خدا اس بات پر خوش تھا کہ میرا بیٹا مر جائے'' اس نے جواب دیا۔ ''میں خدا کی خوشنودی میں شامل ہونے کے لئے ہنسا'' یہ بات توکل کے انتہا کی توضیح سمجھی جاتی ہے مگر بہت سے صوفیا، دراصل بڑی خوشگوار گھریلو زندگی گزارتے ہیں۔ بہرحال یہ نقطہ کہ شروع کی صوفیانہ روایات کے مطابق ترک لذات کا غلبہ تھا۔ ایسی ہی حکایات سے واضح ہوتی ہے۔

صوفی فرہنگ وقیاس۔ دوسرے خیالات جو صوفی ازم سے منسلک ہوئے ''عشق'' ان سب میں ممتاز تھا۔ صوفیوں کا عشق اللہ سے تھا اور وہ اس تک پہنچنے کے متمنی تھے۔ پھر یہ فکر عام ہوئی کہ عام اور عقلی علم کی بجائے وجدانی اور معرفت کی فہم اور سمجھ بوجھ رکھنا صوفی ازم کا مقصد ہے۔ حقیقت کی طرف راستہ صوفیانہ طریقت سے ہو کر جاتا ہے اس بات کو کچھ صوفیوں نے اسلامی قانون شریعت سے علیحدہ قرار دیا۔ کیوں کہ ان کا نظریہ تھا کہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے شریعت کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک بڑا تصور یہ تھا کہ صوفی اپنی ذات کو خدا کی راہ میں فنا کر کے بقا کی منزل پا لے۔ اور اس کے ساتھ ہی ''وحدت الوجود'' کا تصور بھی تھا جس کے مطابق خدا اور کائنات کو ایک وحدت سمجھا جاتا ہے۔

رفتہ رفتہ فرہنگ صوفی جو کہ محسن فید کاشانی کے ''رسالہ شواق'' میں درج ہے۔ ارتقا پذیر ہوئی۔ جو اصطلاحات صوفیانہ شاعری میں زیادہ تر استعمال ہوئیں ان میں چند کی وضاحت یہاں کی جا رہی ہے۔

رخ (چہرہ۔ گال) = خداداد حسن کا انکشاف

زلف = خدائی حقیقت کو چھپانے کا پردہ۔ وہ خداداد صورت جو انسان کو فریب دیتی ہے یا مسخر کرتی ہے۔

خال (تل) = حقیقی اتحاد کا پوشیدہ نقطہ

خط (ٹھوڑی کے نیچے) = روحانی صورت میں حقیقت کا اعلان
لب (ہونٹ) = خدا کی زندگی دینے والی ملکیت
شراب = خدا کی طرف سے تباہ کرنے کے انکشاف پر وجد میں لانے والا تجربہ
ساقی (پیانہ بردار) = حقیقت۔ جو اپنے آپ کو ہر صورت میں نمایاں کرنے سے پیار کرتی ہے۔ غزل میں نمایاں اشاروں بتاتی ہے' جو متلاشی کو حقیقت کی تلاش میں مدد دیتے ہیں۔
بت (پتلا) = خدا کے سوا پوجنے کی ایک شئے۔
معشوق = خدائی حسن کا ایک اعلان .

اربری ۱۹۵۰ء سے ماخوذ)

چونکہ یہ اصطلاحات اسلامی تہذیب کی شاعری میں عام انسانی حوالے کی حامل ہیں اور اپنے اندر ابہام رکھتی ہیں اس لئے شاعری میں دائمی سرور کا ذریعہ ہیں۔

صوفی سلسلہ کا ارتقاء۔ علی ہجویری کی کتاب "کشف المحجوب" کے مطابق گیارھویں صدی میں صوفی ازم کے مکتب بارہ سے کم نہ تھے۔ جن میں سے ان کی رائے کے مطابق دو بدعتی تھے۔ شاید اس بہتات کی وجہ ہے وہ شریعت سے علیحدہ ہو گئے اور وحدت الوجود کے عقیدے کی طرف مائل ہو گئے۔ علی ہجویری اور ابو حامد محمد الغزالی دونوں نے اس مسئلہ پر دلائل دیئے جو اس نظریہ کو جھوٹا ثابت کرتے تھے۔ غزالی کی زبردست تصنیف "احیاء العلم الدین" نے مسلم دنیا پر بے حد اثر ڈالا بقول اے۔ جے۔ آربیری' کم از کم متقی قسم کا صوفی ازم بطور مسلم سائنس اور بطور بامعنی اور پر زور زندگی کا طریقہ تسلیم کیا گیا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بارھویں صدی میں صوفی سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ پہلا سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا قادریہ سلسلہ تھا۔ یہ سلسلہ شیخ نعمت اللہ دکنی کے ساتھ جنوبی ہند پنجاب' سرحد اور کشمیر تک پھیل گیا۔ اس سلسلہ کے جو لوگ شریعت پر زور دیتے تھے نقشبندیہ سلسلہ کی طرف آگئے یعنی شیخ ابوالحق محدث دہلوی کے پیرو کار۔ جبکہ دوسرا طبقہ چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کے نزدیک ہو گیا۔

دوسرا بڑا سلسلہ سہرودیہ تھا۔ جس کا نام شیخ شہاب الدین عمر بن عبداللہ السہروردی کے نام پر رکھا گیا۔ یہ سلسلہ تیرھویں صدی میں ہندوستان میں آیا اور شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے اسے اس علاقے میں پھیلایا۔ جنوبی

ہند کے دوسرے موثر سلسلے چشتیہ اور نقشبندیہ ہیں۔ چشتیہ سلسلے کے بانی شیخ معین الدین چشتی ۱۱۹۳ء میں سیستان سے دہلی پہنچے اور اپنے جانشینوں میں قطب الدین بختیار کاکی اور فرید الدین گنج شکر جیسے صوفی پیدا کئے۔ آخری سلسلہ "نقشبندیہ" شیخ بہائوالدین نقشبندی نے قائم کیا۔ یہ سلسلہ ۱۶۰۰ میں نمایاں ہوا۔ شیخ احمد سرہندی (۱۶۲۴ء۔ ۱۵۶۴ء) جو وحدت الوجود کے مخالف تھے' اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اردو ادب میں اس سلسلہ کی اہمیت یہ تھی کہ مظہر جان جاناں اور خواجہ میردرد جیسے شعراء اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (شمل ۱۹۷۵ء)

دوسرے صوفی سلسلے مثلاً مشد یلیہ۔ (نورالدین احمد بن عبداللہ اشدیلی ۔ ۱۲۵۸ء ۔ ۱۱۹۶ء) سعدیہ۔ رفاعیہ۔ بداویہ اور دیگر باقی مسلم دنیا میں پھیلے۔ مگر ان کے پیروکار بہت کم تھے۔ (آربری ۱۹۵۰ء۔ صفحہ ۹۲۔ ۹۴)۔ کبراویہ سلسلہ سید علی ہمدانی کے ساتھ کشمیر میں آیا اور ہندوستان میں شتریہ سلسلہ کی بنیاد محمد غوث گوالیاری نے سولہویں صدی میں ڈالی۔ ایک اور غیر معمولی بات یہ تھی کہ ھندوستان اور پاکستان میں بہت سے صوفی بے تعصب اور تحمل مزاج تھے کہ شاہجہاں بادشاہ کے بیٹے شہزادہ دارا نے اتحاد کے خیالات پر عمل کیا اور بہت سے ایسے شاعروں اور نثرنگاروں میں گھر گیا جو کہ کٹر اسلام کے دائرے میں نہیں آتے تھے۔ (شمل ۱۹۷۵ء۔ ۳۶۲) یہ سب کس طرح وقوع پذیر ہوا اسے ہم بعد میں تفصیل سے دیکھیں گے۔ امرواقعہ یہ ہے کہ جنوبی ایشیاء کے صوفی ازم کی نمایاں خصوصیات ہی نے اسے ہر دلعزیز بنایا۔ اس صوفی ازم کا ذریعہ اظہار شاعری تھا۔ جسے برصغیر کے گاؤں اور شہروں میں خشوع و خضوع کے ساتھ گایا جاتا تھا۔ جس کے نمونے اس کتاب میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ بہرحال پہلے ہمیں صوفی ازم کے قیاس کو شاعری کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

صوفیوں کے معنی خیز خیالات میں عشق بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بصرے کی رابعہ عداویہ نے اس تصور کو رواج دیا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ کی عبادت اس کے حکم کے مطابق کی جائے بلکہ اس سے اتنا عشق کیا جائے کہ کوئی کسی دوسرے کے ساتھ نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے حسن بصری کے شادی کے پیغام پر انکار کر دیا تھا اور ان کا عذر یہ تھا کہ انہوں نے اپنی ذات کی نفی کر دی ہے اور وہ صرف خدا کے لئے زندہ ہیں۔ اور ان کی دعا تھی۔

> "اے خدا۔ اگر میں جہنم کے ڈر سے تیری عبادت کروں تو مجھے جہنم میں جلا اور اگر میں تیری عبادت جنت کی امید میں کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے۔ لیکن اگر میں تیری عبادت محض تیرے لئے کروں تو اپنے پائیدار حسن کی عنایت میں بخل نہ کرنا۔"

اگرچہ کچھ قانون دانوں (جیسے ابن الجوزی) نے دعوی کیا کہ لفظ "عشق" محبت جیسے مقدس جذبے کے لئے

ناموزوں ہے۔ دوسرے قانون دانوں اور فلسفیوں (جیسے ابن تیمیہ) نے دلیل دی کہ کسی ایسی ہستی کو پوجنا جو محبت کے لائق نہ ہو، محبت کا مدعا یا مقصد نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اس نظریہ پر قانونی منظوری کی مہر بھی ثبت کی۔ اسی بنا پر محبت صوفیانہ شاعری کی روح بن گئی۔

معشوق (جس سے محبت کی جائے)۔ خدا کی تلاش کے ضمن میں صوفیاء کا نظریہ، جیسا کہ ہم دیکھیں گے زیادہ تر رومانس کی روایات سے یا بے بدل جزبے کی بدولت واضح ہوتا ہے۔ ہندی شاعری میں عورت عاشق تھی اور خدا معشوق۔ پنجاب کے صوفی کی شاعری میں، صوفی خود یا روح ایک ایسی نوجوان لڑکی تھی، جس سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ایسی چیزیں تیار کرے۔ جنہیں وہ اپنے خاوند (خدا) کے پاس لے جا سکے گی۔ کسی وقت ہیر کا عاشق رانجھا۔ خدا کے نمونے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وارث شاہ کی بیان کردہ اس داستان میں خصوصی انداز سے رانجھے کو ایک جسم اور ہیر کو روح کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ابتدائی صوفی، شاعری میں (جیسے کہ رابعہ اور ذولنون مصری کی شاعری) محبت کی علامت کو صاف دلی سے محبت کے مجسمے کے طور پر پوشیدہ مطلب کے اظہار کے لئے استعمال کرتے تھے۔ (۶۳ - ۶۱ - ۱۹۹۰ء - Arberry) ابن العربی نے بھی محبت کی زبان استعمال کی اور اس کے مطابق خدا کا پرتو ایک نوجواں خوبصورت لڑکی ہے۔ جبکہ فارسی شاعری میں معشوق کا تصور ایک خوبصورت لڑکا ہے۔ لہٰذا غزل میں مذکر عاشق اور معشوق دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور اکثر مغربی قارئین کے لئے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ یہ روایت جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے۔ صوفیانہ نظریے کی ترویج کے باعث وقوع پذیر ہوئی۔ بہرحال یہ درست ہے کہ اسلامی معاشرے میں ایسا نہیں تھا اور خوبصورت لڑکے جو عورتوں کی نسبت زیادہ نمایاں تھے، عورتوں کے قائم مقام کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ابن العربی، بشمول دگر، دعوی کرتا ہے کہ مرد خدا سے مشابہت رکھتے ہیں لہٰذا ان سے محبت کرنا چاہئے۔ مگر عورتیں اور لڑکے مردوں کی طرح نہیں لہٰذا ایک لڑکا یا عورت صرف دنیوی یا نامکمل عشق کے لئے ہو سکتے ہیں۔ جبکہ خدا ہی واحد اور سچا محبوب ہو سکتا ہے۔ (۱۱۱ - ۱۹۷۹ - Bali) کیوں کہ لڑکے در حقیقت لبھانے اور عورت کی جگہ بد نفسی کا ذریعہ سمجھے جاتے تھے لہٰذا ان پر نظر ڈالنا یا تو ممنوع قرار دے دیا گیا یا اس کی حوصلہ شکنی کی گئی (اس مضمون پر کم عمر طلباء کے متعلق دیوبند کے مدرسے کا حکم ملاحظہ فرمایئے۔ (ظہیرالدین ۲۹۶۵) بہرحال ایک حقیقی صوفی کے نزدیک ایک خوبصورت آدمی، خدا کی مکمل خوبصورتی کی شہادت ہے اور نفسانیت سے زیادہ روحانی بچاؤ کی طرف لے جا سکتا ہے۔ اسی لئے حقیقی صوفیانہ شاعری باوجود اپنے محبت کے مجسمے کے، نفسانی خواہشات کی بجائے محبت کے تصور، دیانت داری اور ثابت قدمی کی تبلیغ کرتی نظر آتی ہے۔

غزل میں محبت۔ اگرچہ اس کتاب میں چند غزلیں بھی شامل ہیں جو کہ اس نوعیت کی ہیں جو فارسی اور اردو ادب میں عام ہیں منظوم عشق صوفیوں کے روایتی عشق کے نزدیک تر ہے۔ جیسا کہ کہا گیا اردو میں غزل زیادہ تر دنیوی ہوتی گئی اور خوب جانی پہچانی گئی اس کا ترجمہ بھی اکثر کیا جاتا ہے اور اس کا ذکر سرسری طور پر ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے (برائے تاریخ دیکھئے صادق۔ ۱۹۸۴' زیدی ۱۹۹۳)

غزل کی محبوبہ پہلے سے قائم شدہ روایات یعنی عاشق کی بے یارومددگاری۔ محبوبہ کی عدم توجہی۔ تلون مزاجی اور ظلم۔ وصل سے زیادہ ہجر اور افسردہ دلی وغیرہ کے حوالے سے واضح ہوتی ہے۔ اس طرح غزل میں ایک حسرت شامل ہے جو کسی حد تک جدید غزل کی جارجیت کی بنا پر کم کر دی گئی ہے۔ مگر یورپ کی جدید شاعری میں استعارہ' غزل کی طرح' روایات سے منسلک نہیں۔ روایتی مثالیں دو سطحوں پر کام کرتی ہیں۔ ایک تو صوفیانہ فلسفہ دوسرے دنیاوی زندگی۔ اول الذکر میں شراب روحانی ہدایت ہے جبکہ آخرالذکر میں ا کھلی مشروب ہے۔ پہلے میں محبوب خدا ہے دوسرے میں عورت یا لڑکا۔ لیکن اردو غزل کے معاملے میں (مظہر جان جاناں اور میر درد کی تخلیقات کو چھوڑ کر) صوفیانہ توضیح جاندار ہے۔ اردو غزل میں شاعر زمینی محبت لکھتا ہے لیکن چونکہ اس نے بہت سے صوفیانہ الفاظ دنیاوی نظریہ سے لئے ہیں لہٰذا وہ بعض مقامات پر خدا کی صوفیانہ تلاش کے متعلق سوچتا نظر آتا ہے۔ اسی لئے اردو غزل میں محبت کا تذکرہ انتہائی مسحور کن ہوتا ہے۔

محبوب۔ غیر ممکن الحصول شے ہے' وہ شاعر کا دل۔ تخیلاتی اعتبار سے ڈاکہ ڈال کر یا لڑ بھڑ کر حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن حقیقت میں شاعر چاہتا ہے کہ اس کا دل لے لیا جائے تاکہ وہ مظلوم بن جائے۔ جیسا کہ فارسی کے شاعر حافظ نے کہا ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرو دل مارا
بہ خال ہندوئش بخشم سمر قند و بخارا را

ترجمہ: اگر وہ شیرازی ترک میرا دل ہاتھوں میں لے لے تو میں اس کے رخسار کے تل پر اسے سمرقند اور بخارا کے شہر دے دوں۔

شاعری میں محبوب کی نظریں تیر کی طرح ہوتی ہیں۔

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے

(مومن)

ترجمہ: میرے محبوب کی نظروں کے تیر جدھر چلیں گے بہت سے زخمی ہو جائیں گے اور بہت سے مر جائیں گے۔ عاشق محبوب کے ظلم برداشت کرتا ہے کیونکہ صوفیانہ روایات میں درحقیقت یہ ظلم نہیں ہوتا۔ خدا انسان سے اس کے زندہ رہنے تک بے غرض رہتا ہے۔ جیسا کہ عبداللطیف بھٹائی کہتے ہیں۔

اد خنجر۔ تیز مت ہو کند رہ
تاکہ تو محبوب کے ہاتھ میں دیر تک رہے (شاہ جو رسالو)

اور غزل میں اس کو اس طرح کہا ہے۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
اقبال

محبوب کی عدم توجہی اور بے اعتنائی شاعروں کے تجربات کا حصہ ہیں۔ یو پی میں جہاں مرد اور عورت کی دنیا قطعی علیحدہ علیحدہ تھی یہیں اردو غزل نے نشو و نما پائی۔ جو سب کچھ تخلیہ میں پوشیدہ طور پر ہوتا ہو۔ مگر کسی پردہ نشیں عورت سے محبت کا تذکرہ علی الاعلان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غزل کا روایتی تخیل، شاعر کو اس کے اصل تجربے کو پوشیدہ رکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ کیونکہ زیادہ تر محبوبائیں درباری رقاصائیں ہوتی تھیں اور وہ گفتگو کے فن سے واقف تھیں اور شاعری کو سمجھتی تھیں۔ ان کے علاوہ لڑکے بھی ہوتے تھے جیسا کہ بہت سی سوانح میں تمام عورتوں میں پردہ نشین عورت۔ طوائف۔ لڑکا یا محبوب عموماً” یا کم از کم بے غرض، متلون مزاج اور بے وفا ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا صوفی روایات کے مطابق بے بدل محبت غزل کا ایک ضروری حصہ تھی۔ لیکن غزل گو اس میں کچھ دوسرے رنگ روپ شامل کر دیتے تھے۔ مثال کے طور پر رقیب کے لئے حد وہیں ہے جہاں وہ شاعر سے زیادہ محبوب کی قربت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
(غالب)

اگر محبوب شاعر پر مہربان بھی ہے تب بھی وہ مشکوک رہتا ہے۔

صحبت میں غیر کے نہ پڑی ہو کہیں یہ خو

دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کئے

(غالب)

اور ہمیشہ یہ پریشانی رہتی کہ وہ مے نوشی کے بعد غیر کے ہاں رک جائے گی۔

رات کے وقت مے پئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یوں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

(غالب)

غالب کی شاعری میں ہمیں دربان کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو کہ شاعر کو اس کی محبوبہ کے گھر میں داخل تک نہیں ہونے دیتا

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا، مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

(غالب)

لکھنو کی شاعری میں اظہار عشق زیادہ کھلا ہے اور محبوبہ بلا امتیاز ایک عورت ہے۔ اگرچہ اس کے لئے مذکر اسم ضمیر اب بھی استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اب ایک بڑی فلسفیانہ تبدیلی آ چکی ہے۔ ابتدائی صوفی شاعری انفرادی خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔ خدا کو پا لینے کی خواہش۔ ایسی خواہش جو صرف اسی تصور سے آ سکتی تھی جو کہ دوسرے لوگوں سے حقیقی طور پر مختلف تھا۔ یہی نکات روایات بن گئے اور انہوں نے ایک رواج اور راسخ لااعتقادی کو پھیلایا جسے اقبال اور فیض نے بعد میں عروج دیا۔

شاعری میں داستانیں صوفیائے ہمیشہ غزل ہی نہیں لکھی بلکہ انہوں نے پاکستان کی مقامی اصناف میں شاعری کی۔ اس میں بھی مرکزی تصور محبت ہی تھا۔ اس موضوع پر شاعری بذات خود ایک صوفیانہ تجربہ نہ تھا بلکہ جس تخیل میں اس کا اظہار کیا گیا وہ اس صوفی ازم سے ہی لیا گیا جو بارھویں اور چودھویں صدی کے درمیان پروان چڑھا۔ دنیا میں محبت سے وصال اور فراق ان منظوم داستانوں اور غزلوں میں عام ملتا ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ جب تک محبت کرنے والا زندہ ہے وہ خدا سے جدا ہے اور موت ہی اسے خدا کے نزدیک لا سکتی ہے۔ اس لئے صوفی موت کو خوش آمدید کہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ "عرس" جس کے لغوی معنی شادی کے ہیں، صوفیائے کرام کی برسی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح تمام عشقیہ داستانیں شیریں فرہاد۔ سسی پنوں، مرزا صاحباں، سوہنی ماہیوال، ہیر رانجھا، شاہ مراد ہانی وغیرہ صوفی شاعروں نے خدا سے ملاپ کے سلسلہ میں بیان کیں۔

ان تمام قصوں میں محب اور محبوب دنیا میں **مستقل** ملاپ نہیں کرپاتے اور وہ ہمیشہ ہجر میں مبتلا رہتے ہیں اور اگر انہیں وصال نصیب بھی ہوتا ہے تو وہ نامکمل اور غیر مطمئن ہوتا ہے۔ اس ملاپ کا جنسی ملاپ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس خیال سے کہ دنیا مسرت کامل کی اجازت نہیں دے گی۔ پشتو صوفی شاعر رحمان بابا نے کہا ہے۔

ترجمہ: اگر میرا محبوب تمام عمر میری گود میں بیٹھا رہے پھر بھی میں اس کی جدائی کے غم میں ماتم کروں گا۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ محبوب کے لئے فطری جذبے کا ہیجان غیر معمولی ہوتا ہے۔ یہ حقیقی نہیں رومانی ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی زندگی میں محبت کرنا بتدریج نہیں بلکہ دفعتاً" ہوتا ہے۔ اس جذبے کا کسی انسان یا لمحے میں ظاہر ہونا' فطرت کا انکشاف ہے جو کہ ایک یونانی تصور ہے۔ خواجہ میر درد نے اس تخیل کو اس طرح بیان کیا ہے۔

دکھائی دے یوں کہ بیخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر گئے

(درد)

ترجمہ: میرا محبوب یوں سامنے آیا کہ مجھے خود سے بھی بے خود کر گیا

مجھے مجھ سے جدا کرنا۔ خود بیگانگی۔ خود کو فنا کر دینے کے مترادف ہے کیونکہ محبوب تک پہنچنے کا راستہ خود کو نفی کرنے یعنی خود کو فنا کرنے میں ہے۔ بلوچ صوفی شاعر طوق علی مست ایک طوفان میں "سمو" کو دیکھتا ہے اور اس سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ کچھ صوفی شاعر کسی چمکتے دمکتے محبوب کے ساتھ فرار ہونے کے خیال کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ روحانی خوبصورتی سے **متعلق** امیر خسرو کے نظریے پر مبنی چند لائنیں۔

نمی دانم کہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

نگار لالہ روئے سروقد شعلہ رخسار
ہمہ آفت دل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں "خسرو"
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

ترجمہ: میں نہیں جانتا وہ کون سی جگہ ہے جہاں کل رات میں تھا۔ ہر طرف نیم جاں لوگوں کا رقص برپا تھا

جہاں کل رات میں تھا۔ وہاں خوبصورت لالہ جیسے چہرے سرو قد اور ڈھلتے رخساروں والا محبوب تھا۔ جو مکمل طور پر میرے دل کے لئے آفت تھا۔ جہاں کل رات میں تھا۔ لامکاں میں خدا خود میر مجلس تھا اور محمدؐ اس میں شمع محفل تھے۔ جہاں کل رات میں تھا۔

عشق کی فطرت عام نہیں ہوتی یہ اتنی ہمہ گیر ہوتی ہے کہ عاشق کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی ہے۔ سماجی پیشوائی اس ضمن بیکار ہے۔ "بلھے شاہ" ایک کسان آرائیں کے مرید ہوئے۔ ہیر کا عاشق رانجھا کاما اور بھینسوں کا راکھا بنا۔ ایک حاکم جام تماچی نے ایک مچھیری نوری کو اپنی ملکہ بنایا۔ بزرگان دین کے قصوں میں لکھا ہے کہ شہزادہ پنوں سسی کے لئے دھوبی بنا۔ ماہینوال نے سوھنی کے لئے اپنی ران کے گوشت کے کباب بنائے۔ بلوچی شاعر میر درک کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ کے لئے اپنی "میر" کی قبا اتار کر ہاتھ میں کشکول لے لے گا۔

اس طرح دنیائی حکمت، روایتی ضابطہ اخلاق اور قانونی علم ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محبت کرنے والے (سوہنی، ماہینوال وغیرہ) شادی سے پہلے ملتے ہیں اور اگر کسی ایک کی شادی دوسری جگہ ہو جائے (جیسے ہیر) تب بھی آپس میں ملتے ہیں اور ناجائز تعلقات کے باوجود صوفی عاشق ہی کی حمایت کرتے ہیں۔ لہٰذا سرکردہ صوفیائے کرام خواجہ حضرت بابا فرید شکر گنج۔ بہاؤالدین ذکریا۔ سید جلال بخاری اور لعل شہباز قلندر نے رانجھے کی حمایت کی۔ جب قاضی نے ہیر کو، جو کہ رانجھا کے ساتھ فرار ہو گئی تھی، اس کے شوہر کھیڑا کے حوالے کیا گیا۔ تو رانجھا نے اس حکمران کو لعنت ملالت کی جس کی حکمرانی میں یہ واقعہ ہوا۔ ایک ہنگامہ مچ گیا۔ وارث شاہ کہتے ہیں۔ لوکاں ویکھیا فقیر دعا دتی، پھر کھیڑیاں نوں کرد حاضر نہیں جاندے ضبط بادشاہیاں نوں

جا گھر آندے چلو ہوو حاضر کھرے پھڑیوں دیکھ لے کائیاں نوں
وارث صوم صلواۃ دی چوری کیے انساں دی ایماں دیاں پھاہیاں نوں

ترجمہ: لوگوں نے کہا فقیر نے ہمیں برا بھلا کہا ہے اور بادشاہ نے فوراً اپنے سپاہی بھیج دیے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کھیڑوں کو گرفتار کر کے یہاں لاؤ وہ بادشاہ کا حکم نہیں جانتے تھے۔ کھیڑے اپنے کرتوتوں کی بنا پر پکڑے گئے۔ وارث شاہ عبادت ایسے بدکرداروں کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

عارف۔ ہم نے دیکھا کہ اخلاقی قانون صوفیانہ شاعری میں کیسے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقتاً محفوظ نہیں ہوتا کیونکہ صوفی ایک اور اونچے اخلاقی عمل کی پیروی کر رہا ہوتا ہے جس سے وہ معرفت حاصل کرتا ہے۔ ذوالنون نے اس ضمن میں معرفت کے قیاس کو روشناس کرایا (خدا کا وجدانی علم) جس کی تشریح کچھ اس طرح ہے۔

وجدان بغیر علم۔ بغیر نظر۔ بغیر اطلاع۔ بغیر مشاہدہ۔ بغیر تشریح۔ بغیر نقاب اور نقاب ڈالے دیکھتا ہے۔ وہ خود

کچھ نہیں ہوتے اور جہاں تک ان کا وجود ہے۔ وہ خدا میں ضم رہتے ہیں۔

عارف اس عالم سے مختلف ہوتا ہے۔ جو کتابی علم کا ماہر ہوتا ہے۔ مگر خدا کی صحیح علمیت نہیں رکھتا۔ بعد کی صوفی شاعری کے مطابق علم فہم و ادراک سے حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے بلھے شاہ کہتے ہیں۔

علموں بس کریں او یار
اکو الف تیرے در کار

ترجمہ: دوست علم کو روک دینا چاہئے۔ نجات کے لئے صرف ایک الف درکار ہے

فنا۔ ایک اور تصور جو بعد میں ایک دائمی موضوع بنا' وہ فنا تھا۔ اس کے متعلق سب سے پہلے شاید ابو بکر الخرض نے لکھا (D.894)(Arberry 1937. Nayia 1970. 240) خرض نے کہا کہ بقا پانے کے لئے خودی کو خدا میں فنا کر دینا چاہیے۔ بعد میں فنا تین درجوں میں تقسیم کی گئی۔ پہلا درجہ فنا فی الشیخ تھا۔ یعنی اپنے مرشد کی شخصیت میں خود کو فنا کر دینا۔ دوسرا درجہ فنا فی الرسول یعنی محمد رسول اللہ صلعم کی روح میں فنا ہو جانا۔ اور آخری درجہ تھا فنا فی الحق یعنی خدا کی ذات میں فنا ہو جانا۔ انہی خیالات کی وجہ سے پیر و مرشد اور رسول اکرم کی انتہائی تعظیم و تکریم پیدا ہوئی جو کہ بعد میں مزید مضبوط ہوئی۔ راسخ الاعتقاد علماء جو ان خیالات میں پرجوش فہم و ادراک اور ذاتی عقائد کے حامل ہیں' دونوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ حقیقتاً ان میں سے ایک الزام 'عین القدت الھمدانی پر تھا' جو ایک ذہین انسان اور صوفی تھا' کیونکہ کہ وہ ایک مرشد (شیخ) کی ضرورت کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ ہمدانی نے کہا کہ صوفی جنہوں نے حقیقت کو عیاں کیا اس بات پر متفق ہیں کہ جس کا مرشد نہیں وہ بے دین ہے۔ (ہمدانی ۳۴۔ ۱۱۳۱) لیکن ہمدانی کو قتل کر دیا گیا۔ راسخ العقیدہ لوگ اب بھی درویشوں اور پیروں کی قبروں کی تعظیم و تکریم کرنے والے عام آدمیوں کو مجرم ٹھراتے ہیں۔ اسی طرح دیو بندیوں اور بریلویوں میں آنحضور صلعم کی تعظیم و تکریم کے اس مسئلہ پر جھگڑا ہے کہ توقیر پرستش تک نہ پہنچ جائے۔ اپنے آپ کو محبوب کی ذات میں گم کرنے اور اپنی خودی کو ختم کرنے کا خیال اکثر صوفیانہ شاعری میں نظر آتا مندرجہ ذیل مثال عام ہے۔

پنوں' پنوں کہتے ہیں میں خود پنوں ہوئی
دوستو میں غافل رہی کیونکہ خود کو نہ پا سکی
"بلھے شاہ" اسی بات کو ہیر کی زبان میں کہتے ہیں
رانجھن' رانجھن کردی نی میں آپے رانجھن ہوئی
سدو مینوں دھیدو رانجھا۔ ہیر نہ آکھو کوئی

ترجمہ: رانجھا' رانجھا کہتے ہوئے میں خود ہی رانجھا ہو گئی مجھے رانجھا کہو کوئی بھی مجھے ہیر نہ کے

خدا کی ذات میں گم ہونے کے اس خیال سے نزدیک ہونے کا مطلب اس سے جدا نہ ہونے کا خیال ہے اور یہ اصول ''وحدت الوجود'' سے منسلک ہے۔

وحدت الوجود۔ فارسی کا صوفیانہ کلام اور ہندوستان کی مقامی زبانیں انہی خیالات سے متاثر ہیں، جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ایک تصور جو ان خیالات پر غالب ہے وہ وحدت الوجود کا اصول ہے، جسے محی الدین ابن عربی نے دیا۔ جو ۱۱۶۵ء میں سپین میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۰۱ء میں وہ مکّہ کی زیارت کو گئے اور ایک ایرانی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ جس کے متعلق انہوں نے ترجمان الاسواق لکھا (نکلسن ۱۹۱۱ء) انہوں نے ''الفتوحات المکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' بھی لکھے جن میں اپنے اپنے اصول بیان کیے ہیں۔

وحدت الوجود کی اصطلاح عموماً یک جان' ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ لیکن بقول این میری شمل کہ وجود میں اور اس کے شعور کا عمل آسان نہیں۔ وہ آگے کہتی ہے اس کا مطلب ہے کہ مظاہر پرستی اور لوئیس میسگنن کے اصول ''وحدت الوجود'' کو بدلنا ہوگا کیونکہ وحدت الوجود کا قیاس خدا اور مخلوق میں محکم تسلسل نہیں رکھتا۔ (شمل ۲۶۷۔۱۹۷۵) ابن عربی کا جو بھی مطلب ہو بعد کے بہت سے صوفیا کرام نے اس کا یہ مطلب لیا کہ حقیقت صرف خدا کے وجود میں ہے۔ اس کے بعد تصور نے ایرانی عقیدے ''ہمہ اوست'' (صرف خدا ہے) کی طرف رہنمائی کی۔ اگر اس کی حقیقی معنوں میں تشریح کی جائے تو عقیدت مند اور منکر میں، معصوم اور مجرم میں اور خالق ومخلوق میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ یہ خیال بلل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ عقیدہ کہ انسانی اور خدائی فطرت یکجا ہو سکتے ہیں یا ایک مجسم شکل اختیار کر سکتے ہیں ''بلل'' راسخ الاعتقادی کے لئے ایسا خطرہ تھا کہ معروف علماء بلکہ علی ہجویری جیسے صوفیاء نے بھی اسے مسترد کر دیا۔ ایک صوفی جس نے اس صوفیانہ تصور کی شدید حمایت کی وہ ابوالمغیث الحسین ابن منصور الحلاج تھا۔ اس نے کہا ''انا الحق'' (میں حق ہوں) یا جیسا اس پر الزام لگانے والوں نے سمجھا ''میں خدا ہوں'' بقول عطار ''کہو وہ حق ہے''۔ وہ اس پر چلائے۔ ''ہاں! وہی سب کچھ ہے'' اس نے جواب دیا تم کہتے ہو وہ کھو گیا ہے۔ دراصل یہ حسین ہے جو کھو گیا ہے۔ سمندر غائب نہیں ہوتا یا کم نہیں ہوتا (عطار سرسا ۲۶۷۔۱۳۷) اس بات پر اسے ہلاک کر دیا گیا اور اس کی ہلاکت کا منظر تحریروں میں جا بجا نظر آنے لگا۔ انگریزی ترجمے میں بھی پلیٹو کی موت (The Apoiogy) اور سر تھامس مور کی موت لکھی گئی۔

''تم کیا کہتے ہو؟'' اس کے پیروکاروں کے ایک گروپ نے پوچھا۔ ''ہمارے متعلق ہم جو تمہارے عقیدت مند ہیں اور وہ جنہوں نے تمہیں مجرم گردانا اور تمہیں پتھر ماریں گے۔''

"انہیں دگنا اجر ملے گا اور تمہیں واحد" اس نے جواب دیا تم صرف میری بھلائی سوچتے ہو۔ وہ ایک خدائی عقیدت سے سرشار ہیں، سختی سے اس قانون کی بقا کے لئے"

پھر تمام تماش بینوں نے پتھر مارنے شروع کر دیے۔ شبلی نے تصدیق کے لئے ایک ڈھیلا مارا۔ حلاج نے آہ بھری۔

"تم نے اس وقت ٹھنڈی سانس نہیں بھری جب تمہیں پتھر مارے جا رہے تھے پھر ایک ڈھیلے پر کیوں آہ بھری" انہوں نے پوچھا۔ "کیونکہ جو پتھر مار رہے تھے انہیں نہیں معلوم تھا وہ کیا کر رہے تھے۔ ان کے پاس ایک بہانہ تھا۔ اس کی (شبلی) کی طرف سے مجھے تکلیف پہنچی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے مجھ پر پتھر نہیں پھینکنا چاہئے تھا۔ (عطار سرسا۲۶۹۔ ۱۳۷)

میری شمل کے مطابق ایران میں حلاج بعد ازاں جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی شاعری میں منصور یا شاہ منصور کہلایا اور سچے عاشق کا نشان بنا۔ اس راست گوئی کے برعکس ہے۔

"انہوں نے پھانسی کے پھندے اور محبت کرنے والے کی بدقسمتی کے متعلق اشارے کنائے میں بات کی اور بعض دفعہ منصور کی پھانسی کی رسی کو اس کی محبوبہ کی زلفوں سے تشبیہ دی۔ انہوں نے "حلاج" کی پھانسی کے درخت کی ہر شاخ پر سرخ گلاب دیکھا اور انہوں نے ذرے اور پانی کے ہر قطرے سے "انا الحق" کے الفاظ عیاں پائے۔"

یہ ایک ایسی معروف روایت ہے جسے فیض احمد فیض، ایک پاکستانی شاعر نے نظام کی حکم عدولی کے طور پر مثال بنایا۔ مثالیں سینکڑوں ہیں مگر یہاں ایک ہی کافی ہے۔ پنجابی میں راما لاج ونتی کرشنا' نے اسے' بلھے شاہ' سے منسوب کیا ہے۔

شرع کہے شاہ منصور نوں سولی اتے چڑھایا سی
عشق کہے تساں چنگا کیتا بوہے یار دے واڑیا سی۔

ترجمہ: شریعت کہتی ہے ہم نے شاہ منصور کو سولی پر چڑھایا عشق کہتا ہے تم نے اچھا کیا تم نے اسے یار کے دروازے میں داخل کر دیا

غیر مقلد عقیدہ۔ ایک اور تصور جو صوفیوں کے "ملامتیہ" مسلک سے پروان چڑھا۔ ایک ظاہر شریعت پر نہ عمل کرتا ہے۔ ایسے صوفی قصداً اپنے اوپر ملامہ چڑھا لیتے ہیں تاکہ لوگ اپنے عقائد کی بنا پر ان کی تعظیم نہ کرنے لگیں (Spaie 1965) عبدالرحمٰن جامی کے مطابق یہ رویہ اخلاص سے آتا ہے۔ جب یہ محسوس کیا گیا کہ اصل اخلاص پارسائی کے مظاہرے یا دکھاوے سے متضاد تھا۔ تو جامی کہتا ہے۔ ایک ملامتی صوفی ایک شہ

میں داخل ہوتا ہے، جہاں ایک جم غفیر اسے خوش آمدید کہتا ہے، لیکن وہ سڑک پر سب کے سامنے غیر مناسب طریقے سے پیشاب کرنے لگتا ہے تاکہ سب لوگ اسے چھوڑ دیں اور اس کے اونچے روحانی درجہ پر آئندہ یقین نہ کریں۔ (Uami Circaisc) اگرچہ اصل ملامتی صوفی نے شریعت کو نہیں چھوڑا ہوتا اور باوجود اظہار کے بہت سے لوگوں نے اس سے روگردانی کی اور بے شرع صوفی کہلائے۔ دوسرے جنہوں نے اس سے روگردانی کی، یا لاتعلق رہے، شریعت نے انہیں طریقیت اختیار کرنے کو کہا جو کہ حقیقتاً "خود درویشانہ راہ ہے۔

سنجیدہ صوفی نے کسی بے شرع عمل کی طرفداری نہیں کی، لیکن دوسرے عمل سماع اور انتہائی خوشی میں وجدانہ رقص موجود تھے۔ "جلال الدین رومی" نے رقص کرتے ہوئے درویشوں کے طریقے کو اپنا دستور بنایا۔ سماع انہیں بہت عزیز تھا بہت سے شعراء کو جن کے متعلق ہم پڑھیں گے، ملامتی روایت اور طریقیت اور معرفت پر زور کی ایک وجہ صوفی شعراء پر علماء اور مولوی کی ملامت تھی۔ یہی بالاخر روحانی کمی اور غیر استقلالی تعصب کا نشان بن گئی لہٰذا جنوبی ایشیاء کے

مسلمان شاعروں اور فارسی کے شاعروں نے بھی مولوی کو مسترد کر دیا یہاں تک کہ بابا فرید جیسے شریعت کے کٹر پابند نے بھی کہا

ریت فرید دی پتھری ساری
رہندا صوم صلواۃ توں عاری
رندی مشرب ہے مشہور

ترجمہ: فرید کے طریقے الٹے سیدھے ہیں نہ وہ روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے۔ اس کی مے پرستی بدنام ہے

لیکن اس قسم کے دعوے یقیناً درست نہیں کیے جا سکتے کیونکہ بابا فرید مذہبی طریقوں کے پابند تھے۔ انہوں نے یہ بتایا کہ صحیح روحانیت رسوم کی بجا آوری سے بالاتر ہے۔

ملوانے دا واعظ نہ بھائے
بیشک ساڈا دین ایمان ایں
ابن دا دستور

ترجمہ: ہمیں مولویوں کا وعظ نہیں بھاتا بیشک ہمارا دین اور ایمان ابن العربی کی پیروی ہے

صوفی مذہب کی ظاہری صورت سے لاتعلق نظر آتا ہے وہ مذہب اور نسلی پہچان کو مسترد کرتا ہے۔ بلھے شاہ، نچل سرمست، شاہ لطیف، شاہ حسین سب نے احتجاج کیا کہ نہ وہ ہندو ہیں نہ مسلمان نہ شیعہ ہیں نہ سنی۔ سلطان باہو صوفیاء کے متعلق کہتے ہیں۔

نا او ہندو نا او مومن نہ سجدہ دین مسیتی ہو
دم دم دے وچ ویکھاں مولا جنہاں جان قضا نہ کیتی ہو

ترجمہ: نہ وہ ہندو نہ مسلمان نہ انہوں نے مسجد میں سجدہ کیا۔ وہ ہر سانس میں خدا کو دیکھتے ہیں اور کبھی صوفیاء نعرہ ہو نہیں چھوڑتے۔

درد اردو میں کہتا ہے

دیر تھا، کعبہ تھا یا بت خانہ تھا
ہم تو سب تو مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

ترجمہ: وہ مذہبی مدرسہ تھا کعبہ تھا یا بت خانہ تھا ہم سب وہاں مہمان تھے اور تو ہی میزبان تھا۔

اور سچل سرمست پنجابی میں کہتے ہیں۔

جیں دل پیتا عشق دا جام ساول مست الست مدام
دین مذہب رہندے کتھے۔ کفر کتھاں اسلام

ترجمہ: وہ جن کے دلوں نے محبت، کا جام پیا ہے ان کا دل ہمیشہ سرشار رہتا ہے نہ عقیدہ رہتا ہے نہ مذہب نہ اسلام اور نہ کفر

میر نے یہی بات سرکش طور پر کہی ہے

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو انے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

انہی خیالات کے ساتھ ساتھ شراب کی تعریف اور مولوی کی مزمت چلتی رہی، جسے صوفیانہ علم

الاصطلاح کی روشنی میں عارفانہ علم کی جستجو کی ترجمانی کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سوز کہتا ہے۔

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یا رب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

اس قسم کی زبان بعد میں لادین، جدت پسند غیرپادریانہ حجت کے لئے استعمال کی گئی لیکن اسے صوفیانہ کلام نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی کی تضحیک یا مذہبی عقیدے کی پابندی گہرے روحانی اصولوں اور محض لادینی یا جدت پسند مادہ پرستی کی وجہ سے ظاہری طور پر ارکان عبادت کی بجاآوری ایک مختلف معاملہ ہے غیرپادریانہ روایت کا محاورہ صوفیوں سے مستعار لیا گیا ہے لیکن یہ غزل میں دنیاوی مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ غیرپادریانہ طرز تحریر گہری مذہب پرستی اور ارکان عبادت کی بجاآوری کو چھپا سکتی ہے۔ میر درد کے نزدیک صوفی کا تخیل ایک مخلص اور مکمل مومن بننا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ خود بقا کی طرف مائل کیے گئے جبکہ خدائی قانون ان پر صوفیانہ جذبات کے درجات سے کھولا گیا۔ (درد ۹۳۔ ۱۸۹۲)

ان تمام قیود کے باوجود یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ کم از کم جنوبی ایشیائی زبانوں میں سطحی طور پر صوفیانہ شاعری مضبوط، غیرپادریانہ، غیر مستند اور غیر مستحکم ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ ماڈرن سیاسی لادین اور غیر مستحکم لوگوں میں کیوں مقبول ہے۔ لہٰذا پاکستان میں سوشلسٹ اور غیر ملکی نیشنلسٹ بھی انحراف اور سرکشی کا وہی محاورہ استعمال کرتے ہیں جس کی جڑیں صوفیانہ فلسفہ سے مستعار لی گئی ہیں جن پر نہ وہ یقین رکھتے ہیں نہ اسے سمجھتے ہیں۔

اختتامیہ۔ ہم نے دیکھا کہ صوفی ازم نہ صرف اردو غزل پر اثر انداز ہوا بلکہ پاکستانی زبانوں پر بھی اس کا اثر خوب ہوا۔ جو لوگ ظلم تشدد کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں کسی نہ کسی طور صوفیوں ہی کے احوال دہراتے ہیں اور رسموں کو توڑنے والوں کا حوالہ دیتے ہیں، جیسے منصور الحجاج کا ذکر۔ چاہے کوئی فیض کی شاعری پڑھے یا فخر زمان کے ناول (دیکھیے۔ ۱۹۸۴ Prisonor) اس کی جذباتی خواہش انہی کو نمونہ بناتی ہے جن کی جڑیں اسلامی صوفی ازم میں ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلامی صوفی ازم کی گونج ابھی تک

ہماری یادوں اور سوچوں کا ایک حصہ ہے۔ امیر خسرو کے مندرجہ ذیل کلام سے نتیجہ باسانی اخذ کیا جا سکتا ہے جس کی پہلی لائن فارسی میں ہے اور دوسری لائن جدید اردو ہندی میں:

شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز ہجر ملبت حوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جوس نہ دیکھوں تو کیسے گا ٹوں رتیاں

یکایک از دو چشماں جادو بہ صاد فریبم بے برو تسکیس
کسے پڑی ہے جو جاناوے پیارے پی کو ہماری باتیں

خسرو ۲۷ ستمبر ۱۹۲۵ء میں وفات پائی لیکن 600 سال گزرنے کے بعد بھی ہم اس کی شاعری کو ہمہ تن یاد کرتے ہیں۔ کتاب میں شامل تراجم اگرچہ دل موہ دینے والی کا احاطہ نہیں کر سکتے کیونکہ الفاظ کی خوبصورت جرکث اور اصل لہجہ کو دوسری زبان کا میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ پڑھنے والے اصلی موضوع سے روشناس ضرور ہو سکتے ہیں۔

عربی حروف حجی کا پہلا حرف (اور فارسی ۔ اردو ۔ پنجابی ۔ سرائیکی ۔ سندھی۔ پشتو اور بلوچی جس کی املا اور ہجے کا نظام اس پر مبنی ہے) الف ہی سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مخصوص عارفانہ اہمیت ہے اور بلھے شاہ اسے دوسرے عارفانہ کلام کے ساتھ تمام علوم کا اختتام کہتے ہیں۔

ڈاکٹر طارق رحمان کے انگریزی مضمون سے ترجمہ

محبوب عزمی

حضرت بابا فرید الدینؒ مسعود گنج شکر

(۱۱۷۳ء - ۱۲۶۵ء)

مترجم

بشیر حسین ناظم

بابا فرید گنج شکر

(۱۱۷۳ء-۱۲۶۵ء)

راشد متین

"بابا فرید" جنہیں "گنج شکر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ملتان کے نزدیک کھتوال کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کے آباء بارہویں صدی کے اواخر میں کابل سے یہاں آئے تھے۔ ان کا تعلق تصوف کے چشتی مکتبہ فکر سے تھا جس کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا جب سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے دوران چشتیہ روائت کے علمبردار بہت سے بزرگوں نے پنجاب کا رخ کیا اور یہیں آباد ہو گئے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بعد ہندوستان میں بابا فرید اس روحانی سلسلے کے راہنما مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے عہد کے مروجہ ظاہری علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اس کے بعد انہوں نے دہلی کا رخ کیا اور اپنے مرشد کی نگرانی میں روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ شدید ریاضت اور مجاہدوں کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں خصوصی طور پر ان کے چلہ معکوس (چالیس دن تک کنوئیں میں الٹا لٹکے رہنا) کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے مرشد کی اجازت سے ہانسی میں رہائش اختیار کی۔ مرشد کے انتقال کے بعد انہیں چشتیہ مکتبہ فکر کا باقاعدہ سربراہ بنا دیا گیا اور انہوں نے پنجاب میں واقع "اجودھن" نامی قصبے کو اپنا روحانی مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔ رفتہ رفتہ یہاں بھی ان کی شہرت ہونے لگی اور لوگ جوق در جوق ان کی جانب رجوع کرنے لگے۔ بابا فرید نے یہاں صوفیانہ روایت کے مطابق ایک جماعت خانے کی بنیاد رکھی۔ اجودھن جو کہ اب پاکپتن کے نام سے موسوم ہے کی خانقاہ میں ایک صوفیانہ درسگاہ کی تمام جملہ خصوصیات موجود تھیں۔ جماعت خانے میں بہت سے دانشور اور صوفیاء ہر وقت موجود رہتے۔

بابا فرید کی شاعری ہم تک "آدگرنتھ" کے شلوکوں کے ذریعے پہنچی ہے۔ ان کو صوفیانہ شاعری مابعد الطبیعی رجحانات اور تصورات کا باقاعدہ اظہار ہے۔ ان کی تعلیمات بنیادی طور پر وہی ہیں جو ان سے دو صدیاں پہلے سید علی ہجویری متعارف کروا چکے تھے۔ اس اعتبار سے بابا فرید کی تعلیمات کو پنجاب کی زریں روایات کا تسلسل تصور کرنا چاہیے۔ ان کے ہاں مذہبی قانون اور داخلی صوفیانہ صداقت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ بابا فرید کی بنا پر تصوف پنجاب میں ایک عوامی تحریک کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ انہوں نے آخری ایام بے سروسامانی اور قلیل البضاعتی کے عالم میں بسر کئے اور ۱۲۶۵ء میں وفات پائی۔

جس دن سے روح اور جسم
ایک دوسرے سے منسلک ہوئے ہیں
اسی دن سے (مشیت الٰہی سے) سانس لکھے جا چکے ہیں۔
اور وہ فرشتہ (ملک الموت) جس کی آواز کان سنتے ہیں
نزع کے وقت آ موجود ہوتا ہے۔

۲

یہ (ملک الموت) بیچاری روح کو اس شدت سے نکالتا ہے
کہ آدمی کی ہڈیاں کڑک جاتی ہیں
روح کو سمجھاؤ کہ اس وقت
لکھے ہوئے سانسوں کی کوئی بات نہیں مانی جاتی۔

۳

روح دلہن ہے اور موت دولہا ہے
جو اسے بیاہ کر لے جائے گا
جو کام یا تجویز اپنے ہاتھوں پروان چڑھی ہو
اسے کیسے روکا جا سکتا ہے۔

۴

پل صراط بال سے بھی زیادہ باریک ہے
جس پر چلنے والوں کی آواز کان نہیں سن سکتے۔
اے فرید! مجھے یہ آواز سنائی دیتی ہے
اس لئے ہوس کے پھندے سے ہوشیار رہتا ہوں۔

۵

اے فرید! درویشی کے دروازے میں داخل ہونا بڑا دشوار کام ہے
دنیاداروں کے ساتھ رہ کر عمر عزیز رائیگاں گئی
اب جو خواہشات دنیوی کی گٹھڑی اٹھائے پھرتا ہوں
اسے پھینک کر کہاں جاؤں۔

٦

کچھ معلوم نہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا
دنیا تو ایک پوشیدہ آگ ہے
میرے مالک نے مجھ پر کمال فضل و کرم کیا
ورنہ میں بھی جل کر راکھ ہو جاتا۔

۷

اے فرید! اگر تجھے معلوم ہو کہ تل تھوڑے ہیں
تو سنبھل کر اوک بھرنا
اگر معلوم ہو جائے کہ زندگی کا ساتھی عمر کے لحاظ سے چھوٹا (ناتجربہ کار) ہے
تو اس پر بہت کم فخر کرنا۔

۸

اے فرید! اگر تمہیں معلوم ہو کہ دامن چھوٹ جائے گا
تو اسے مضبوطی سے تھامنا
میں نے سب جہان چھان مارا ہے
لیکن اے پروردگار، تجھ سا عظیم کوئی نہیں۔

۹

اے فرید! اگر تو صاحب عقل لطیف ہے
تو اپنی قسمت کو (برے اعمال سے) سیاہ نہ کر
(اس صورت حال کا) اپنے گریبان میں جھانک کر مشاہدہ کر۔

۱۰

اے فرید! اگر لوگ تمہیں گھونسے ماریں
تو گھونسوں کا جواب گھونسوں سے مت دو
ایسے لوگوں (جو خواہ مخواہ الجھیں) کے تو
پاؤں چوم کر اپنے گھر جانا چاہیئے۔

۱۱

اے فرید! دنیا میں کسب نیکی کا وقت تو نے رنگ رلیوں میں گزار دیا
موت روح سے زیادہ محبت کا اظہار کرتی ہے
جب روح کی کشتی بھر جاتی ہے
تو اسے (دوسرے) کنارے کی طرف روانہ ہونا ہی پڑتا ہے۔

۱۲

اے فرید! جو عمل ہو چکا ہے اس کا مشاہدہ کر
یعنی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تیری داڑھی سفید ہو گئی ہے
منزل عقبیٰ نزدیک تر ہے
اور ماضی کہیں دور رہ گیا ہے۔

۱۳

اے فرید! جو کچھ ہو گزرا ہے اس کا مشاہدہ کر
مٹھاس زہر میں بدل گئی ہے
یعنی ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا ہے
اب اپنے خالق و مالک کے سوا کس پر بھروسا کیا جائے۔

۱۴

اے فرید! آنکھیں (احوال عالم) دیکھ دیکھ کر تھک گئی ہیں
اور کان باتیں سن سن کر بہرے ہو گئے ہیں
یہ ایک حقیقت ہے کہ جب شاخوں پر پھل پکنے لگتے ہیں
تو ان کی شکل ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

۱۵

جس نے کالے بالوں کے ساتھ (عالم شباب میں) اللہ تعالیٰ کی بندگی نہ کی
وہ سفید بالوں (بڑھاپے میں) اس کی بندگی کیا کرے گا
اب بھی وقت ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کا اظہار کرو
تاکہ (بالوں میں) منفرد رنگ آجائے۔
اے فرید! سیاہ و سفید بالوں والوں میں سے
اللہ تعالیٰ جسے چاہے پسند کر لیتا ہے۔

۱۶

محبت کرنے سے نہیں ہوتی
جالانکہ جی ہر ایک کا چاہتا ہے
یہ کاسئہ محبت یار جسے چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں۔

۱۷

اے فرید! جن آنکھوں نے دنیا موہ لی ہے
ان آنکھوں کا میں بھی دیدار کر چکا ہوں
وہ آنکھیں جو کجلے کی دہار کی بھی متحمل نہیں ہو سکتیں تھیں
ان میں سینکڑوں پرندوں نے بچے دے رکھے ہیں۔

۱۸

اے فرید! طعن و تشنیع اور وعظ و نصیحت سب بیکار ہیں
کیونکہ جس دل کو شیطان نے اکارت کر دیا ہو
اسے بندہ کسی اور طرف مائل نہیں کر سکتا۔

۱۹

اے فرید! اگر تجھے خدا کی طلب ہے
تو اس گھاس پھوس کی طرح عاجز ہو جا
جسے کوئی کاٹتا ہے اور کوئی پامال کرتا ہے
تب جا کر وہ مالک کے آگے جھکنے کے لئے مصلّٰی بننے کے لائق ہوتی ہے۔

۲۰

اے فرید! مٹی کو برا نہ جان
اس جیسی کوئی چیز نہیں
جو زندگی بھر پاؤں کے نیچے رہتی ہے
اور موت کے بعد اوپر آجاتی ہے۔

۲۱

اے فرید! اگر عشق کی بنیاد خواہش نفس پر ہو
تو اسے عشق نہیں ہوس کہہ
آخر ایک خستہ حال چھپر کے نیچے
بارش کے عالم میں کب تک گزرا ممکن ہے۔

۲۲

اے فرید! جنگلوں میں کیا مارے مارے پھر رہے ہو
یہاں تو ونوں اور کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں
جنگل میں کیا ڈھونڈ رہے ہو
پروردگار تو دلوں میں رہتا ہے۔

۲۳

اے فرید! میں ان کمزور لاتوں (پاؤں) کی مدد سے
جنگل بیلے پھر چکا ہوں
افسوس کہ آج بھی "فرید" کو وہ چیزیں جن پر اسے دسترس حاصل ہے
بہت دور نظر آ رہی ہیں۔

۲۴

اے فرید! راتیں لمبی ہیں
اور ہر روئیں سے دھواں اٹھ رہا ہے
ایسے لوگوں کی زندگی پر لعنت ہے
جنہوں نے امید کا دامن چھوڑ دیا ہو۔

۲۵

اے فرید! اگر میں عاشق ہوتا
تو ریوڑ چرانے والوں کا دوست ہوتا
یہ ایسی بات ہوتی
جیسے مجیٹھ کی طرح ہیرا انگاروں پر جلتا ہے۔

۲۶

اے فرید! جاٹ ببول (کیکر) بو کر انگور کے حصول کی توقع رکھتا ہے
(یہ ایسا ہی ہے) جیسے اس کی تمام عمر اون کاتتے گزر گئی ہو
اور وہ چاہے کہ اپنے جسم کو حریر و دیبا سے مزین کرے۔

۲۷

اے فرید! گلیاں کیچڑ سے اٹی پڑی ہیں
گھر (منزل عقبیٰ) دور ہے
پھر پیارے سے محبت بھی ہے
(اس حال میں) اگر میں گامزن ہوں
تو کپڑے بھیگ جائیں گے
اور اگر رکا رہوں تو رشتہ محبت ٹوٹ جائے گا۔

۲۸

اے میری کملی! بھیگ کہ سوکھ کہ اللہ تعالیٰ نے مینہ برسایا ہے
(اس عالم میں) میں محبوب سے جا ملوں گا
اور میرا رشتہ محبت بھی شکستہ نہ ہو گا۔

۲۹

اے فرید! میں نے اپنی پگڑی کو (سجدہ کرتے وقت) اس لئے بچایا
کہ کہیں میلی نہ ہو جائے
افسوس میری جاہل جان کو یہ معلوم نہیں
کہ کسی دن سر کو بھی مٹی نگل جائے گی۔

۳۰

اے فرید! شکر‘ چینی‘ نبات‘ گڑ‘ شہد اور بھینس کا دودھ
سب چیزیں میٹھی ہیں
لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مٹھاس
تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتی۔

۳۱

اے فرید! میری روٹی لکڑی کی ہے
اور سالن میری بھوک ہے
(یاد رکھ) جنھوں نے (دنیا میں) عیش و عشرت کی زندگی گزاری ہے
وہ سخت تکلیف اٹھائیں گے۔

۳۲

اے فرید! روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پی
دوسروں کی چپڑی روٹی دیکھ کر
اپنے دل میں اس کا اشتیاق مت پیدا کر۔

۳۳

چونکہ آج میں اپنے خاوند کے ساتھ رات نہیں گزار سکی
اس لئے میرا ایک ایک انگ افسردہ اور کملایا ہوا ہے
کوئی جا کر کسی بھولی بسری سے جا کر پوچھے
کہ تم رات کیسے گزارتی ہو۔

۳۴

مجھے سسرال میں باریابی حاصل نہیں
اور میکے والوں کے ہاں میرے لئے جگہ نہیں
میرا سائیں تو میری بات نہیں بھی سنتا
بھلے بھاگ کہ میں پھر بھی سہاگن ہوں!

۳۵

میں غسل کر کے پاک صاف ہوں
اور کافور سے مشحون ہوں
اور مجھے نیند بھی سکون سے آئی
لیکن اے فرید! مشک و عود جلتے بنے
اور صرف ھینگ کی بوباس رہ گئی۔

۳۶

اگر محبوب کی محبت رخصت نہ ہو
تو مجھے حسن و جوانی کے جانے کا کوئی ڈر نہیں۔
اے فرید! محبت کے بغیر جوانی سوکھ اور کملا جاتی ہے۔

۳۷

اے فرید! دکھ میری چارپائی ہے، غم اس کا بان ہے
اور عشق کی آگ میرا کالحاف ہے۔
اے مالک حقیقی یہ ہے ہماری زندگی۔

۳۸

ہجر و فراق کے نعرے لگائے اور کہو
اے ہجر و فراق تم ہو صاحب سلطنت!
اے فرید! جس نے ہجر و فراق کا مزہ نہیں چکھا
اسے، (شمشان کی) راکھ سمجھو۔

۳۹

اے فرید! یہ سبز گندلیں (دنیا) جو تمہیں نظر آ رہی ہیں
دراصل ان پر شکر لپیٹی ہوئی ہے
کچھ لوگ جنھوں نے اس کھیتی کو کاٹنے کی کوشش کی
وہ اسے کاٹ گئے اور کچھ لوگ اسے برباد کر کے چلے گئے۔

۴۰

اے فرید! تم دن بھر دنیوی مشاغل میں مصروف رہے
اور رات نیند میں برباد کر دی
اب پروردگار (زندگی کا) حساب کتاب مانگے گا
(تو پھر تجھے پتا چلے گا) کہ تم یہاں کس مقصد کے لئے آئے تھے۔

۴۱

اے فرید! کیا تو نے وہ گھڑیال دیکھا ہے
جسے ہر دروازے پر پیٹا جاتا ہے
اس بے دوش کو اس طرح پیٹا جاتا ہے
تو ہم گنہگاروں کا کیا حال ہو گا۔

۴۲

اس (گھڑیال) کو ہر دم کوٹا پیٹا جاتا ہے
اور یہ پہروں سزا پاتا ہے
یوں لگتا ہے کہ گھڑیال کسی سے بچھڑا ہوا ہے
کہ اس کی راتیں بھی دکھوں میں گزرتی ہیں۔

۴۳

شیخ فرید بوڑھا ہو گیا تو جسم کانپنے لگا
اگر کوئی سینکڑوں سال بھی جی لے
تو اسے مر کر مٹی ہی ہونا ہے۔

۴۴

اے فرید! اللہ تعالیٰ مجھے پرائے در پر بھیک نہ منگائے
اگر وہ مجھے اسی حال میں رکھے
تو اس سے زندگی کا خاتمہ بہتر ہے۔

۴۵

شانوں پر کلہاڑا، سر پر گھڑا
اس حالت میں لوہار ون کے درخت سے آگ جلانا چاہتا ہے۔
اے فرید! میں اپنے خالق و مالک کی تلاش میں ہوں
اور تم آگ تلاش کر رہے ہو۔

۴۶

اے فرید! کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی روٹی گھی سے تر ہے
اور کچھ ایسے ہیں جنہیں سالن بھی نصیب نہیں
اس بات کا آگے چل کر پتا چلے گا
کہ مبتلا عذاب میں ہو گا۔

۴۷

صاحبان جاہ و حشم لوگ جن کے سروں پر چھتریاں .
آگے آگے بینڈ باجے، دائیں بائیں منشی مصدی تھے
آج سب کے سب یتیموں کے پہلو
میں گہری نیند سو رہے ہیں۔

۴۸

اے فرید! یہ لوگ محل ماڑیاں تعمیر کرتے ہوئے
جھوٹی تجارت کرتے رہے
اور ان کا ٹھکانہ قبر بنی۔

۴۹

اے فرید! جسم کی ان گنت میخیں ہیں
لیکن روح کی کوئی میخ نہیں
اس لئے شیخ و مشائخ اپنی اپنی باری پر اس جہان سے چلتے بنے۔

۵۰

اے فرید! جب ملک الموت دن دہاڑے
کسی کی حویلی پر فوج کش ہوا
تو دیواریں گراتا، دل کو تاراج کرتا
چراغ زندگی بجھا کر چلتا بنا۔

۵۱

اے فرید! دیکھ
کپاس، تل، گنے، کاغذ، کوئلے اور ہنڈیا پر کیا بیتی ؟
ان سب کو یہ سزائیں
ان کے اعمال کی وجہ سے ملیں ہیں۔

۵۲

اے فرید! دنیا دار فقیر کے کان مصلیٰ
جسم پر صوف کے کپڑے اور دل میٹھی چھری ہے
باہر سے وہ کوئی روشن چیز معلوم ہوتا ہے
لیکن اندر سے سیاہ رات کی طرح ہے۔

۵۳

اے فرید! اگر کوئی ہمارے جسم کو چیر ڈالے
تو اس سے ایک قطرہ خون بھی نہ نکلے
جس جسم کو پروردگار نے سرخ کر دیا ہو
(یعنی رنگ الٰہی میں رنگا ہوا ہو) اس میں خون کہاں؟

۵۴

اے فرید! اگر تجھے موتی کی طلب ہے
تو اسے کسی دریا میں ڈھونڈھ چھپڑ سے کیا ملے گا!
بس ہاتھ کیچڑ میں ڈوب جائیں گے۔

۵۵

اے فرید! محل، منڈیر اور ماڑیوں سے دل مت لگا
(مرنے کے بعد) تم مٹی میں غرق ہو جاؤ گے
اور تمہارا کوئی یار و مددگار نہ ہو گا۔

۵۶

اے فرید! مکانوں پر دولت کا اسراف نہ کر
اپنا دل قبرستان سے لگا
اسی جگہ کی طرف توجہ دے
جہاں آخر کار تجھے جانا ہے۔

۵۷

اے فرید! ایسے تمام اعمال کو بھلا دے
جن سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو
اس لئے کہ کہیں تمہیں خداوند تعالیٰ کے دربار میں ندامت نہ ہو۔

۵۸

اے فرید! خالق و مالک کی خدمت پر مامور ہو کر
دل سے تمام شکوک نکال دے
دیکھ! درویشوں کی تلاش درختوں کے پڑوس میں کی جاتی ہے۔

۵۹

اے فرید! میرا لباس اور چولا دونوں سیاہ ہیں
میں گناہوں میں لتھڑا ہوا ہوں
لیکن لوگ مجھے اللہ والا کہتے ہیں۔

۶۰

سورج کی تپش سے جھلسی ہوئی فصل نشو و نما نہیں پا سکتی
جب تک اسے چشمے کا پانی نہ ملے۔
اے فرید! جسے اس کا خاوند چھوڑ دے
وہ افسردگی کے عالم میں مرجاتی ہے۔

٦١

کنواری ہوتے ہوئے مجھے شادی کا چاؤ تھا
شادی کے بعد جب معاملات سے دوچار ہوئی
تو مجھے پچھتاوا لگ گیا
کہ اب میں کنواری کیسے بن سکتی ہوں؟

٦٢

اس نمکین پانی والے چھپڑ پر
وہ ابھی اترے ہی تھے
اور ابھی چونچ بھی نہ بھگوئی تھی
کہ انہیں اڑنے کا حکم ہو گیا۔

٦٣

لوگوں نے ہنسوں کو اڑا دیا
کہ وہ کہیں ان کے کھیتوں سے دانے نہ چگ جائیں
احمق لوگوں کو یہ معلوم نہیں
کہ ہنس دانوں پر گزارا نہیں کرتے۔

٦٤

جن کے دم سے جھیلیں آباد تھیں وہ پنچھی چلتے بنے،
اے فرید! ایک دن بھرا ہوا تالاب بھی ختم ہو جائے گا
اور تمہارے پاس صرف اکلاپا ہی رہ جائے گا۔

۶۵

اے فرید! اینٹ تمہارا سرہانہ
خاک تمہارا بستر اور کیڑے مکوڑے تمہارے بدن کو کاٹیں گے
تو نے دنیا میں جو عمل کیے ہوں گے
وہی آگے آئیں گے۔

۶۶

اے فرید! گھڑے کا ڈھکنا ٹوٹ چکا ہے
اور آب کش رسی بھی تڑک چکی ہے
ملک الموت نے آج کس کے گھر دستک دی ہے۔

۶۷

اے فرید! گھڑے کا ڈھکنا ٹوٹ چکا ہے
اور آب کش رسی بھی تڑک چکی ہے
جو احباب کبھی زمین پر بار تھے
وہ ایسے گئے ہیں کہ اب واپس نہیں آسکتے۔

۶۸

اے فرید! بے نماز سگ (ملعون شے)
یہ کوئی اچھی روایت نہیں
کہ تم مسجد میں پانچوں وقت کی نماز کیلئے
کبھی بھی چل کر نہیں آئے۔

۶۹

اے فرید! اٹھ وضو کر اور نماز فجر ادا کر
جو سر اللہ تعالیٰ کے آگے نہ جھکے
اسے دھڑ سے جدا کر دے۔

۷۰

اے فرید! ایسا شور مچا جیسے جوار کا محافظ شور مچاتا ہے
جب تک ٹانڈا نہ گرے
تب تک تیری کوک جاری رہنی چاہئے
(آخری دم تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو)

۷۱

اے فرید خالق مخلوق میں بستا ہے
اور مخلوق خالق میں
اس لئے برا کس کو کہا جائے
جب اس کے بغیر کسی کا وجود ہی نہیں

۷۲

اے فرید! انانیت کو مونج کی طرح کوٹ کر
اس کے چھوٹے چھوٹے ریشے بنا دے
پھر اللہ تعالیٰ کے معمور خزانوں سے
جو دل چاہے لوٹ لے۔

۷۳

اے فرید! یہ دنیا بوقلمونی ہے
اور اس میں سولوں کے باغ ہیں
جس کو مرشد نے حسن ظن سے نوازا ہے
ان کو کوئی آنچ آئے گی نہ لاگ لپٹ ہو گی۔

۷۴

اے فرید! عمر ہماری حسین ساتھی ہے
اور جسم سونے کی طرح ہے
لیکن دنیا میں ایسے لوگ شاذ و نادر ہیں
جنہیں اپنے مالک سے حقیقی عشق ہے۔

۷۵

اے لہر! کنارے مت کاٹو
تم بھی (کسی کے آگے) جواب دہ ہو
لیکن تمہیں ادھر کا رخ ہی کرنا ہو گا
جدھر اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

۷۶

اے فرید! نفس امارہ (تن) تو بھونکتے کتے کی طرح ہے
اس کی آوازیں سن کر کون دائمی رنج اٹھاتا رہے
خواہ کتنی ہی (ہوس کی) تیز ہوائیں چلیں
میں تو کان میں روئی ٹھونس رکھ لیتا ہوں۔

۷۷

اے فرید! اللہ تعالیٰ کے فضل سے، کھجوریں پک چکی ہیں
اور شہد کی ندی رواں ہے
لیکن ہر دن جو گزر رہا ہے
اس سے عمر کم ہوتی جاتی ہے۔

۷۸

اے فرید! جسم سوکھے پنجر کی طرح ہو گیا ہے
اور تلیوں کو کوے چونچیں مار رہے ہیں
اس حال میں بھی مالک نے میری خبر نہیں لی
افسوس ہے بندے کی قسمت پر۔

۷۹

اے کوے! تو جو جسموں کے ڈھانچوں کا طالب ہے
میرا سارا گوشت نوچ کھانا
مگر دو آنکھوں کو مت چھونا
جنہیں ابھی تک محبوب کی دید کی توقع ہے۔

۸۰

اے کوے! میرے جسم کے پنجر کو مت چوس
اس میں بسنے والے سے ڈر
جس میں میرا مالک مقیم ہے
اس (میرے بدن) کا گوشت مت کھا۔

۸۱

اے کوے! سارے جسم کا گوشت چن چن کر کھا جا
لیکن آنکھوں کو مت چھونا
جنہیں محبوب کے دیدار کی امید ہے۔

۸۲

اے فرید! بگلا دریا کے کنارے بیٹھا مزے لے رہا تھا
کہ اس پر آسمان سے تند خو باز جھپٹ پڑا
جب مالک کا باز جھپٹا
تو بگلا تمام عیش و آرام بھول گیا
مالک نے ایسی ایسی باتوں کو جنم دیا
جو وہم گمان سے بھی وراء تھیں۔

۸۳

ساڑے تین من جسم انسانی جو پانی اور خوراک سے چلتا ہے
دنیا میں آکر جلد ہی اسے سونا کر کے چلا جاتا ہے
ملک الموت تمام دروازے توڑ کر چلا آئے گا
اور ہمارے بھائی ہی ہمیں باندھ کر
اس کے حوالے کر دیں گے
اور کہیں گے دیکھو! بندہ چار بندوں کے کندھوں پر سوار جا رہا ہے
اے فرید! جو عمل دنیا میں کیے ہوں گے
وہی درگاہ ربانی میں کام آئیں گے۔

۸۴

اے فرید! میں ان پنچھیوں پر قربان
جن کا جنگل میں ڈیرا ہے
یہ پنچھی کنکریاں چگتے ہیں
اور ویرانوں میں رہتے ہیں
لیکن جادہ حق کو کبھی نہیں چھوڑتے۔

۸۵

اے فرید! موسم بدل چکا ہے
ون (درخت) کانپنے لگا ہے
(موسم خزاں میں) پتے درختوں سے جھڑنے لگے ہیں
میں نے چاروں گوشے چھان مارے ہیں
لیکن کوئی گوشہ بھی موت کی آواز سے خالی نہیں۔

۸۶

اے فرید! حریر و دیبا کے لباس کو پھاڑ ڈال
صرف کملی کو تھامے رکھ
اور اسی لباس کو اپناؤ
جس سے مالک و مولا مل سکے۔

۸۷

اے فرید! جو لوگ نہایت ہی عزت و عظمت والے
صاحب حسن اور صاحب مال و متال تھے
دنیا کو پتھر پر برستی ہوئی بارش کی طرح چھوڑ گئے۔

۸۸

میں یار کو تلاش کر رہی ہوں
لیکن وہ میرے پاس ہی ہے
اگرچہ اسے کسی بھی جہت، صفت اور صورت میں
کماحقہ بیان نہیں کیا جا سکتا
لیکن مرشد پھر بھی اپنی صورت دکھا ہی دیتا ہے۔

۸۹

دنیا، بندہ، تالاب اور پنچھی ایک ہی ہیں
لیکن انہیں اسیر کرنے والے بہت سے ہیں
یا رب سچے، اب تیری ہی آس ہے یہ بدن
تو ہزار قسم کی لہروں میں جکڑا ہوا ہے۔

۹۰

کون سا لفظ اور کون سی صفت دہراؤں
اور کون سی منت مانوں؟
کون سا چولا پہنوں
جسے مالک پسند کرے۔

شاہ حسین

(۱۵۹۳ء - ۱۵۳۹ء)

مترجم

مسعود قریشی

شاہ حسین
(۱۵۳۹ء-۱۵۹۴ء)

راشد متین

ربا میرے حال دا محرم توں
اندر توں ایں باہر توں ایں روم روم وچ توں

عشق حقیقی میں ڈوبی ہوئی یہ آواز ایک درویش صفت اور مست الست انسان کی آواز ہے جو آج سے تقریبا ساڑھے چار سو سال قبل خطہ پنجاب میں گونجی اور پھر دیکھتے دیکھتے پاک و ہند میں پھیل گئی۔ یہ آواز شاہ حسین کی آواز تھی جنہیں مادھولال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ شاہ حسین پنجاب کے ان سرکردہ صوفیاء میں سے ہیں جنہوں نے برصغیر میں خدا کی وحدانیت کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ دادا ہندو تھا والد حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور نام شیخ عثمان رکھا گیا۔ لاہور کے ٹکسالی دروازے میں رہائش پذیر ہوئے یہیں ۱۵۳۹ء میں شاہ حسین پیدا ہوئے یہ زمانہ سلطنت مغلیہ کے مرکزی علاقوں میں احیائے دین کی تحریکوں کا زمانہ تھا جس کا رد عمل قادریہ مسلک کی صورت میں مروجہ صوفیانہ بغاوت کے علمبردار کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس مسلک کی تشکیل میں بھگتی اثرات کے علاوہ ملامتی مکاتیت فکر نے بھی حصہ لیا تھا اور اس نظام فکر کا اولین اظہار شاہ حسین کی صوفیانہ بغاوت کی صورت میں ہوا۔ ان کے گھرانے میں ہندو ثقافتی اور مذہبی اثرات بدستور موجود تھے۔ شاہ حسین پیشہ کے اعتبار سے بافندے تھے اور انہوں نے اپنے اس طبقاتی پس منظر کا کھلے دل کے ساتھ اظہار بھی کیا۔

۲

سکھیو، مجھے میرے محبوب سے ملا دو
میں آس کے ہجر میں نڈھال ہوں

میں باپ سے جہیز کی طالب نہیں
نہ والدہ سے پیار مانگتی ہوں
میں تو ہر دم اپنے محبوب حقیقی کی طالب ہوں
تاکہ دینا کے جنجال ختم ہوں
مجھے تو میری مرضی کے بغیر روتے چلاتے
زبردستی شادی کی رسوم ادا کی گئیں
مجھے ظالم کھیڑوں کے سپرد کر دیا گیا
میں روتی چلاتی رہی لیکن کسی نے میری ایک نہ سنی۔

اب محبوب کے فراق میں
تارے گن گن کر رات کٹتی ہے
اور دن کانٹوں کی طرح اذیت ناک ہے۔

میں خیالوں میں اپنے حقیقی محبوب
"رانجھے" کی خدمت کرتی ہوں
اور خوابوں میں اسے ملتی ہوں۔

راتیں بھی کالی ہیں اور بھینسیں بھی کالی ہیں
جنہیں رانجھا چراگاہوں میں چرا رہا ہے
"حسین" فقیر کی یہی دعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے فراق زدگان کو ملائے۔

۳

اے عقلمند دنیا دارو
ہم بری ہیں، بہت بری ہیں۔
لوگو، ہم برے لوگوں کی صحبت سے بچو

لوگو، ہجر کی چھریاں تیروں اور تلواروں سے بھی تیز ہیں
محبوب پردیس چلا گیا ہے
اور ہم اسے الوداع کہہ کر لوٹ آئی ہیں۔

اے محبوب اگر تو تخت ہزارہ کا باسی ہے
تو ہم بھی اعلی سیال خاندان سے ہیں
ہم اپنے محبوب کی تلاش میں نکلی ہیں
ہمیں اپنے پرائے کا کچھ ہوش نہیں
جنھوں نے ہردم اپنے محبوب کا نام نہ لیا
اے لوگو وہ انجام کار پچھتاتی ہیں
اللہ کا فقیر "حسین" کہتا ہے
کہ ہم اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہو گئے ہیں۔

۴

مجھے بھی رانجھے کے ڈیرے جانا ہے
کوئی میرا اس سفر میں ساتھ دے
میں نے سب کے پاؤں پکڑے منتیں کیں
لیکن کوئی میرے ساتھ نہ چلا
اور مجھے اکیلے ہی جانا پڑا۔

ندی گہری ہے، ناؤ پرانی ہے
اور سامنے گھاٹ پر شیر اپنے شکار کے منتظر ہیں
اگر کوئی میرے محبوب کی خبر لائے
تو میں اپنی انگوٹھی اس کی نذر کروں
راتوں کو درد اور دکھ ہے
دوست سے جدائی کے زخم گہرے ہیں
سنتے ہیں کہ میرے محبوب کے پاس ہر درد کا درمان ہے
لیکن میرے گھاؤ ہی عجیب ہیں
بیچارہ حسین فقیر کہتا ہے
کہ میرا آقا کوئی پیغام بھیجے تو دل کو قرار آئے۔

۵

میں تارک الدنیا فقیروں کی باندی بن کر
چاکروں والے کام کروں گی
چوکا پوتوں گی، جھاڑو دونگی
اور جھوٹے برتن دھوؤں گی۔

میں پیپل کے درخت کے گرے پتے چنتی پھرتی ہوں
لوگ مجھے پگلی کہہ رہے ہیں
ناسمجھ لوگ میری اصل حالت سے بے خبر ہیں
کہ میں ہجر یار میں بے چین ہوں
ملکوں ملکوں سب لوگوں تک خبر پہنچی
کہ ہیر نے دنیا ترک کر دی
ایک تک یہ خبر پہنچی
یا لاکھوں نے یہ سنا، مجھے کیا
میرا کوئی کیا بگاڑ لے گا
میں تو اپنے محبوب حقیقی کی غلام ہوں
وہی میرا آقا و مالک ہے۔
بے چارہ "حسین" فقیر کہتا ہے
کہ اے محبوب اپنی باندی کو دولت دیدار بخش۔

٦

یہاں ایک سے ایک بڑھ کر ہزاروں دوشیزائیں ہیں
ان میں تیری کیا وقعت ہے
تم تو یہاں بھیڑیں چرانے
اور اون صاف کرنے پر مامور ہو۔

عشق کی مشکل راہ پر چلتے چلتے
تیرے پاؤں کانٹوں سے زخمی ہو گئے
اور تو اتنی سی بات پر واپس چلی۔

تم سا بزدل تو میں نے کوئی نہیں دیکھا

جو راہ عشق کی تکلیفیں دیکھ کر لوٹ پڑے
نیک اعمال کے بغیر تو انسان
ندی میں بہتے تنکوں کی مانند بے حیثیت ہے۔

ہاں صالح اعمال کے بل پر
پیغمبر، مرشد اور اولیاء کو درگاہ حق میں باریابی حاصل ہوتی
سب دریائے معرفت سے فیض پانے آئے ہیں

البتہ انداز سب کے جدا ہیں
اللہ کا فقیر شاہ حسین اس محفل روحانیاں میں
داخلے کے منتظر ہیں۔

۷

یہ تمام دنیا چوروں کی اماج گاہ ہے
ان کی دست برد سے
نہ پگڑی محفوظ ہے نہ دوپٹہ۔

بعد میں ان سے لڑنے جھگڑنے کی بجائے
اس لئے عقلمندی سے کام لے
اپنا زاد راہ سنبھال کر سو
یعنی نفس کی دستبرد سے محفوظ رہنے کا بندوبست کر۔

تمہاری ہنڈیا کے تمام شگافوں میں سے پانی بہہ رہا ہے
یعنی عمر تمام ہونے کو ہے
اللہ کا فقیر "حسین" کہہ رہا ہے
کہ عمر تو اب بیت چلی آخرت کی فکر کر۔

۸

اے داتا، جیسے تمام تیری دنیا محتاج ہے
اور تمہیں سے مانگتی ہے
اسی طرح میں بھی تم سے مانگتی ہوں۔

مجھے بھنگ، یعنی دنیا سے بے نیاز کردینے والے
علم معرفت سے بھرا ایک کمرہ
اور اسے کام میں لانے کے لئے ڈنڈا کونڈا عطا کر
ان کو مصفا کرنے کا سامان دے
مرچ دے جن سے سالن رنگ پر آئے
پوست دے، پیالہ اور چینی سے بھرا برتن دے
یعنی علم معرفت کا سب سامان دے۔

گیان دھیان عطا کر
اور طالبان معرفت کی صحبت دے۔

اللہ کے فقیر شاہ "حسین" کی
یہی دعا ہے اور یہی آرزو۔

۹

چور ہمیشہ چوری میں مشغول رہتے ہیں
بھنگ کے عادی بھنگ کی ترنگ میں رہتے ہیں
ہوس دان ہمیشہ ہوس کی گرفت میں ہیں
اور ہم مالک حقیقی کے عشق کی لگن میں مگن ہیں۔

راجے مہاراجے کاروبار حکومت میں مگن ہیں
کارندے وصولیابیوں میں محو ہیں
چوہدریوں کو گاؤں کے انتظام کی فکر ہے
اور ہم مالک حقیقی کے عشق کی لگن میں مگن ہیں۔

اے مالک حقیقی تو نے زندگی کو عجب کھیل بنایا ہے۔
ہر کوئی یہ کھیل کھیل کر عدم کو سدھارتا ہے
لیکن ہم تیرے عشق کی لگن میں مگن ہیں
لوگ دنیا کے مال کی خاطر لڑ جھگڑ رہے ہیں
اے مالک تو ہماری عزت رکھنا
سب نے مر کر خاک میں مل جانا ہے
ہم مالک حقیقی کے عشق کی لگن میں مگن ہیں۔

"شاہ حسین" گدائے بے نوا ہے
اسے پیر مت کہو۔
ہمیں غلط بات پسند نہیں
ہم فقیر تو مالک حقیقی کی لگن میں مگن ہیں۔

۱۰

اے کریم میرے گناہوں کو نہ دیکھ
تیرا صفاتی نام ہی ستار ہے
تو مختار کل ہے، جو چاہے کرے
تو دلوں کا حال جانتا ہے۔

تم سے کچھ پوشیدہ نہیں
مجھ بیچاری کے عیبوں کی طرف نہ دیکھ
اے رب کریم، تو عاقل ہے، دانائے کل ہے
تو ہی میرا سہارا بن
جو کچھ میرے دل میں پنہاں ہے سب تم پر عیاں ہے۔

تو ہی داتا ہے، تو ہی مالک ہے
تو سب کچھ عطا کرتا ہے
اور تیرا کرم رکتا نہیں
تو جود و عطا کا بہتا دریا ہے
جو ہمہ دم مانگنے والے کا انتظار کرتا ہے
تیرا بندہ عاجز "شاہ حسین" یہی کہتا ہے
کہ تو جو بھی کرے۔ وہ مجھے عزیز ہے
تجھ سے دوری میرے قریب نہ آئے
ہر دم تیرا شکر میرے دل اور زبان پر رہے۔

۱۱

حرف حق سننے کی کسے تاب ہے؟
باطل رگ و ریشہ میں رچ چکا ہے
اے انسان حرف حق سننے کی تاب نہیں

جن کے دل میں طلب حق کی آتش پنہاں ہے
صرف انہوں نے حرف حق سنا
جب خود مطلوب حقیقی نے پردۂ دوئی چاک کر دیا
تو رقیب رشک سے فنا ہو گئے
حرص و ہوا اور دنیا داری کے
زہریلے سانپ سب راستوں پر پھر رہے ہیں۔

ان سے وہی بچ سکے گا
جس نے خالق حقیقی کے عشق کا دامن تھاما
”حسین فقیر“ کہتا ہے کہ سہاگن وہی ہو گی
جس نے دنیاداری سے دامن داغدار نہیں کیا۔

۱۷

رات بہت کم رہ گئی
عمر ختم ہونے کو ہے۔
اور تم نے اپنے مالک کو راضی نہیں کیا

حقیقی سہاگن تو وہی ہے
جس کے بازو محبوب کی گردن میں حمائل ہیں
ایک تو قبر کی تنگ و تاریک کوٹھری ہے
اور پھر کوئی دیا تک نہیں۔

جب موت کا فرشتہ
میرا بازو پکڑ کر مجھے عدم کی طرف لے چلا
تو سب عزیز و اقارب چھوڑ گئے۔

میں بدنصیب تمام سہاگ رات تو سوتی رہی
اور پھر تڑکے بیدار ہوئی۔

اب اپنی سہیلیوں سے پوچھ رہی ہوں
کہ میں اپنے شوہر کو کیسے مناؤں
"حسین فقیر" کہتا ہے
کہ جو لوگ مالک حقیقی کی عبادت کرتے ہیں
تو وہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔

۱۳

عشق حقیقی کا راستہ سوئی کے سوراخ کی طرح باریک ہے
تو اپنی نفسیاتی خواہشات ترک کر کے
تن کو ترک کر کے ہی اس میں سے گزر سکتا ہے
عاشق ہو کر ہی عشق کی دولت دارین حاصل ہوتی ہے۔

تیرا ظاہر صاف ستھرا اور روشن، درخشاں ہے
اور تیرا باطن باطل سے آلودہ ہے
تو کس بل بوتے پر خود کو شیخ کہلاتا ہے۔

"شاہ حسین" کہتا ہے کہ اگر تو
اس دنیا کی لذات اور خواہشات نفسیانی کو ٹھوکر مار دے
تو عالم حقیقی میں بلند رتبہ پائے۔

۱۴

اگر تم نے خود کو پہچان لیا[۱] اور اپنی حقیقت سے آشنا ہو گیا
تو خالق حقیقی کو پانا آسان ہو جاتا ہے۔

اے انسان، اپنی حقیقت کو پہچان

یہ سونے کے دنیاوی محلات
اور قلعے، چاندی کے چھجے
سب جلتے شمشان گھاٹ بن جائیں گے۔

تجھے خبر ہو کہ نہ ہو
تیرے سر پر فنا کا دیوتا سازش کر رہا ہے

تمہارا اصل ملک ساڑھے تین ہاتھ کی قبر ہے
تو اتنے لمبے چوڑے منصوبے نہ بنا

اللہ کا فقیر "حسین" بے چارہ تمہیں سمجھا رہا ہے
کہ خودی کے تصورات چھوڑ دے

(۱) "جس نے خود کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا"

معرفت سے عاری ظاہردار قاضی اور ملا مجھے سمجھا رہے ہیں
دنیا دار عقل مند مجھے زندگی کا صحیح راستہ بجھا رہے ہیں۔

وہ بے چارے کیا جانیں
کہ عارفان حقیقی راہ شریعت سے بے پرواہ ہوتے ہیں
کیونکہ وہ اللہ کے عاشق ہیں
جو ظاہرداریوں سے بے پرواہ ہے۔

میرے محبوب کا ٹھکانہ دریا کے پار ہے
اور ہم عہد کر چکے ہیں
کہ وہاں ہر حالت میں جانا ہے
میں ملاح کی منت سماجت کر رہی ہوں
کہ مجھے دریا کے پار لے جائے
چونکہ ہمارا دل اس بے پرواہ مالک حقیقی سے لگ چکا ہے۔

بیچارہ "حسین" فقیر برملا کہتا ہے
کہ آخر سب نے مرکر اس دنیا سے چل دینا ہے
آخر انسان کا واسطہ اللہ تعالی سے ہی پڑے گا
اسی بے نیاز سے ہم نے دل لگا لیا ہے۔

۱۶

میں اپنے مالک حقیقی کے دربار کی بھنگن ہوں

میں دھیان کی ٹوکری اور گیان کا جھاڑو لے کر
زندگی کو خواہشات نفسانی اور جذبات سفلی سے پاک کرتی رہتی ہوں۔

دنیاوی اور مذہبی معاملات کو قاضی اور حاکم وقت جانے
ہمیں اس بیگار سے آزادی ہے
گاؤں کا مکھیا اور چوہدری
دنیاداری کے ان معاملات کو سمجھتے اور نمٹاتے ہیں
میں خدمت سرکار اعلیٰ پر مامور ہوں۔

بیچارہ "حسین" فقیر کہے
کہ اے خالق و مالک مجھے ان دنیاوی جھمیلوں سے کیا غرض
میں تو دیدار عین کا طالب ہوں۔

۱۷

ہمارے باطن میں بھی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہے
اور اس کائنات میں بھی اسی کے جلوے ہیں
لیکن میری یہ بات کون سنے اور سمجھے گا؟

اے میرے رفیق
کچھ کہنے کی گنجائش نہیں
لفظ گنگ ہیں

ایک ہی محبوب حقیقی کے سب جلوے ہیں
دوئی کی نہ گنجائش نہ امکان

اللہ کا فقیر حسین کہے کہ سچے مرشد کے قربان جائیں

۱۸

میرے باپ نے چند روز بعد
میرے عقد کا دن ٹھہرا دیا
وقت بہت کم رہ گیا ہے
مجھے سسرال سے بلاوہ آگیا ہے
یعنی میں اب یہ دنیا چھوڑنے والی ہوں
اب جہیز بنانے سنبھالنے کا وقت نہیں رہا ہے۔
تیرا گانا یعنی دنیاوی بندھن کھل رہا ہے
اور تو بے خبر ہے
یہ موت کی رخصتی ہے
ساتھ نہ بہن جائے گی نہ کوئی بھائی
اب اللہ ہی اللہ ہے
اللہ ہی اللہ‘ اللہ ہی اللہ

اے میری سہیلیو اور عزیزو
مجھے غسل عروسی یعنی میری میت **کو** غسل دیا جا رہا ہے
مجھے آخری بار مل لو
یہ آخری بار ہے
اس کے بعد پھر نہ ملاقات ہو گی نہ دیدار

میری ماں زار و قطار رو رہی ہے
اور بہن مجھے بے سود پکار رہی ہے
موت کا فرشتہ عزرائیل
مجھ بے یار و مددگار کو لے جا رہا ہے
ایک تو قبر کی تنگ اندھیری کوٹھری ہے
دوسرے دیا تک روشن نہیں۔

موت کا فرشتہ میرا بازو پکڑ کر
سوئے عدم لئے جا رہا ہے
اور کوئی ساتھی ہمراہ نہیں
اے انسان موت کی حقیقت کو سمجھ
خودی اور تکبر سے توبہ کر
اور حلم اختیار کر
اپنی قبر کو یاد کر جو تمہارا مشکل ٹھکانہ ہے۔

تو چاہے کتنے ہی جتن کرے
ہاتھ پاؤں مارے‘ سر دھنے
مگر وقت ہاتھ نہ آئے گا۔
"حسین" فقیر بے نوا کے اس بیان سے
سب دوست احباب اداس اور غمگین ہو گئے۔

۱۹

تم نے ساری عمر بے کار گنوا دی
اب باقی کچھ نہیں رہا
اب اپنے آخری دم کا اندازہ لگا

وہ بیوپاری دروازے پر آپہنچے ہیں
جن سے زندگی کے دم قرض لئے تھے
زندگی کے عیش و آرام
اب جان کا عذاب بنے ہوئے ہیں

اللہ کا فقیر "حسین" کہتا ہے
اب چون و چرا کی الجھنوں کا وقت گزر گیا
اب اپنے آخری دم کی فکر کر

فقیروں کی یہی دعا ہے
کہ تو مالک حقیقی کی طرف سے کبھی غافل نہ ہو
تو سب کچھ بھلا دے
لیکن مالک حقیقی کو دم بھر نہ بھول
کہ وہ بھولنے والا نہیں

سونا، چاندی سب ناپید ہو جاتے ہیں
لیکن عشق حقیقت ابدی ہے
اے دوشیزہ، تو اور سب سے تو ہنستی کھیلتی ہے
پھر مالک حقیقی سے کیا پردا؟

عشق نے تیرے چوبارے میں جھانک لیا ہے
اب دنیا کا کیا ڈر
تیرے ماں باپ کی قسم
یہی تمہارے حق میں بہتر ہے
کہ تو مالک حقیقی کی ہو جائے جس حسن اور دنیاوی ساز و سامان پر
تجھے ناز ہے یہ مٹی میں مل جائے گا۔

اللہ کا فقیر "حسین" کہتا ہے
کہ جب موت ہی سب کا انجام ہے
تو فانی چیزوں پر مان کیسا؟

۲۱

تمہاری دکان پر گاہک آیا ہے
اس سے سودا کر لے

پچاس ٹکے کم لے لے
وہ چلا نہ جائے
کچھ تو کما لے

”میکا“ یعنی یہ دنیائے فانی تو چار دن کی ہے
ابھی سے پیا یعنی آخرت کا دھیان کر

یہ دنیا تو میدان عمل ہے
اس میں نیک اعمال کا جہیز کما لے

دوسروں نے تو تجھے ادھار پر ٹال دیا
ہم سے کچھ نقد نصیحت حاصل کر لے

بیچارہ ”حسین“ فقیر کہتا ہے
کہ ہم فقیر دل کے بادشاہ ہیں
ہم سے گوہر نصیحت لے لے

مخدوم شاہ عنات

(۱۷۰۱ء۔ ۱۶۱۳ء)

مترجم

تاج جویو

شاہ انات

راشد متین

سرزمین سندھ میں مقبولیت کی سند حاصل کرنے والے صوفی شعراء کی فہرست میں "شاہ انات" کے نام کو کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی زندگی کے حالات کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ بھی تحریر نہیں کیا کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تواریخ ولادت و وفات بھی مستند انداز میں دستیاب نہیں۔ حتیٰ کہ ان کا نام بھی مختلف انداز میں تحریر کیا جاتا ہے اور مختلف محققین نے کبھی انہیں "شاہ عنات" اور کبھی "شاہ انات" لکھا۔ ان کی شاعری کی کھوج ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے کی اور بے پناہ صوفیانہ افکار کی حامل یہ شعری تخلیقات طالبان علم و ادب کے سامنے آئیں۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ "شاہ انات" بلاشبہ سندھی شاعری کی مروجہ روایات کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ "شاہ انات" ہی تھے جن کی بدولت سندھی شاعری میں فرسودہ مضامین سے قطع نظر صوفیانہ افکار و خیالات معرفت کے انداز میں پیش کیے گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ تلمیح اور استعارہ کی صورت میں سندھی شاعری کو نئے نئے افق میسر آئے۔ اور آنے والے سندھی شعراء نے ان تجربات کو اپنی اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا۔ "شاہ انات" نے سندھی شاعری کی لوک روایات کو یکجا کر کے ایک

سراسر تازہ اور توانا جہت عطا کی اور سندھی شاعری کے فروغ میں بنیادی عوامل کے طور پر اپنی تمام تر جزئیات کو سمو ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی کا بڑے سے بڑا شاعر، بشمول شاہ لطیف بھٹائی، ان کے شعری محاسن و مضامین سے استفادہ کو اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہے۔

(۱)

دامن میں سو پاپ چھپائے
آئی تیرے درار
میرے من میں آس یہی ہے
کرم کرو دلدار

(۲)

سنگ پیا کے رہتے
پوچھوں چارہ گر کو کا ہے؟
میرے من کا روگ عنات
نیم حکیم نہ جانے
دل کا درد رفع ہو جائے
ساجن کے آئے!

(۳)

چارہ گر کو میں نہ پکاروں
پاس نہ اس کے جاؤں
جس ساجن نے درد دیا ہے
کرم اسی کا چاہوں
پریتم اپنے پاس بلائے
دل کا درد بھلا دوں

(۴)

مدھ پلا کر عام
پریتم نے مخمور کیا
ساقی اسی شراب کا
بھر دے جام پہ جام
پھروں مست مدام
دروازے پر دوست کے

(۵)

اڑ کر جل کر پروانے نے
آن بجھائی آگ
جلتی آگ میں جل کر پایا
جیون بھید اور بھاگ

(٦)

پریتم کو پلکوں میں ڈھانپوں
نین گھروندے کر دوں
ساجن میرے آنگن آیا
ساجن کے گن گاؤں
دیکھ پیا کو اپنے گھر میں
نینن بیچ بساؤں!

(۷)

مان کے بات ستارے کی
چمکا چاند آکاس
حسن پیا کا دیکھ کر
بن گیا اس کا داس

(۸)

“سنیاسیوں” نے آگ لگائی
“سورگ” جل گئے سارے
پچھلی رات سفر کو نکلے
بیراگی بنجارے
ان کی دوری دل کو کھائے
کس کو کہوں میں پیارے
یاد آئیں دن رات ہمیشہ
جوگی یار دلارے

(۹)

ان کے من میں موہ نہ کوئی
اس دنیا کا عام
در در گھر گھر بھیک نہ مانگیں
گر ناری ہر گام
جہاں شرم سے لوگ نہ جائیں
وہاں کریں بسرام
پھول کنول کی مانند ان کے
من میں بسے رام

(۱۰)

رکھ توکل تات
خود کو تو پہچان لے
او سنیاسی! سید کہے
یہی ہے حق بات
اپنے من سے دور کر
دوئی‘ شک شبہات
چھوڑ خودی کا ساتھ
پھر کر بات پریتم کی

(۱۱)

بادل، برسے خوب عنات
سبز ہوا سنسار
"ساوَن" اور "سیارچھ" "مکھی"
گھاس بنے گلزار
زندانوں میں جیانہ جالے
یاد آئیں "سنگھار"
مجھے ملادو میرے مارو
بھیجو ان کے پار!

(۱۲)

ساجن سنگ چنوں میں "پیلھوں"
من میں ہے یہ آس
دیکھوں ملک ملیر
رہی ہے ہردم حسرت، پاس
سید کیے اسباب بنے تو
جاؤں میکے پاس
صحرا کی بہنوں سے مولا!
ملن مرا ہو خاص

(۱۳)

جا داتا کے دروازے پر
لے کر اپنا ساز!
راجا کا من موہ لے چارن!
بن کر چارہ ساز
تان پورے کی تان سے کر لے
پیدا سوز گداز
راضی ہو کر راجا دیگا
تجھ کو دان دراز

(۱۴)

ساجن! مجھ میں کوئی "گن" ناہیں
"اوگن" انت اپار
اوگن گنوں تو گن نہ پاؤں
مجھ میں عیب ہزار
میرے اوگن ڈھانپ لے ساجن
بن کر پردہ دار

(۱۵)

ہم وہی ہیں یار!
جنہیں تو جانے اجنبی!
"اوگن" لے کے عنات کے
آئے تیرے پار
دلبر تیرے دوار، اوگن گن
بین گے میرے

(۱۶)

ساجن بسے سواسوں میں
سدا رہے وہ یاد
ان کے آنے سے من میرا
خوب ہوا ہے شاد
جو دل میں آباد
کیا پکاروں ان کو!

(۱۷)

پھولی میں نہ سماؤں
گھر آئے مہمان!
تاریکی میں روشنی
ساجن چاند مہمان
ان پر واروں جان
کاگا نے جو آن ملائے

(۱۸)

سجنوا کے پار سے آیا
ملن سندیسہ لایا
کاگ نے بول پیا کی باتیں
میرا من بہلایا

(۱۹)

جوگی بیکل جالیں جگ میں
آدم ذات سے دور
ان کے طعنے سہے عنایت
ذرا نہ ہوں رنجور
ہردے سے حیرانی جائے
آئیں کاش حضور

(۲۰)

سجنوا کی یاد ستائے
جس کا انت نہ پار
نینوا سے آنسو برسیں
جیسے میگھ ملہار
ہجر میں جن کے اک ساعت بھی
جینا تھا دشوار
پھر وہ آئے، آنگن مہکا
من ہوا سرشار

(۲۱)

میرے من کے ساجن! تجھ سے
کرلوں بات شفاف
مجھ سے لاکھوں دوش ہوئے ہیں
تو ہی کو دے معاف
"ہار" نے مجھ کو للچایا تھا
نادم ہوں سرکار
میرے خاوند "جام چھیر"
کرلے من کو صاف

(۲۲)

جیتے جی محبوب ملے
یہ ہرجائی کا خیال
موتو قبل آن تموتوا
سب کے آگے سوال
مرنے سے محبوب ملے گا
جیتے ملے محال

(۲۳)

کبھی نہ بھولوں‘ دل میں سماؤں
ان کی یاد سہانی
ان کے ساتھ گھڑی جو بیتی
بن گئی ایک کہانی
بارہ ماس جو گزرے جگ سے
جانوں وہ سب فانی

(۲۴)

عشق کرے تکمیل‘ بلا کر
عشق نہ نصف کرے
یہ تو خواہش ”سائرؔ“ کی ہے
کی جو قوال سے

(۲۵)

میں نے کم اور موٹا کاتا
چرخے پر جو آج
عیب نہ اس سے صراف نکالے
خفا نہ ہو بسر تاج
تولتے وقت عنایت میری
کاش رکھے وہ لاج

(۲۶)

پیٹ کی خاطر کاتنے آئیں
چرخے والیاں عام
جن کا دل ساجن کا ڈیرہ
ان کے تھوڑے نام

(۲۷)

خوشبو لینے۔ بھنورے آئے
کتنی دوری سے
دل میں جگہ دی ان کو
کنول کے سندر پھولوں نے

(۲۸)

خود کو کمتر جان
آٹھوں پہر عنات کہے
منگتا! معافی مانگ کر
لے داتا سے وان
ساجن یار سبحان
اوگن تیرے ڈھانپ لے

(۲۹)

دوست بغیر اسی دنیا میں
کون مجھے پہچانے؟
میری سکھیوا! میں مورکھ تھی
سو گئی کیوں سرہانے
پوپھٹی سے پہلے ساجن
لے گئے کیچی کانے
ساجن پیچھے سکھ ملے گا
گر تو سئی جانے

(۳۰)

اب رونا بیکار سکھی ری
جاگی تو نہ سویرے
ہوئی کیوں ہوشیار نہ
جب ڈالے "جتوں" نے ڈیرے
سنگت تمہارے کون کرے گا
"کیچ دلات" کے پھیرے
غافل بن کر تو نے گنوائے
اپنے "پنھوں" کے پیرے

(۳۱)

کاش! سنوں کہسار میں
صدا ساجن کی
نقش پا کو ڈھونڈتے
آگے جاؤں گی
ٹوٹے کبھی نہ ڈوریا
عہد و پیمان کی
کرے گا آس عنات کی
پوری "پب دھنی"

(۳۲)

بیٹھ کے دیر نہ کر تو مورکھ!
چل ساجن کے اور
بن ساجن کے کچھ بھی ناہیں
غافل کر لے غور
نقش پا کو گر نہ پاؤ
توڑ نہ آس کی ڈور

خوشحال خان خٹک

(۱۶۱۳ء - ۱۶۸۹ء)

مرتب

ڈاکٹر اقبال نسیم خٹک

خوشحال خان خٹک

(۱۶۸۹ء ـ ۱۹۱۳ء)

راشد متین

خوشحال خان خٹک نوشہرہ کے نزدیک اکوڑہ نامی قصبے میں پیدا ہوئے وہ خٹک قبیلے کے سربراہ تھے۔ اور انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے مغلیہ حکمرانوں کے لئے بھی خدمات سرانجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حربی شاعر کے طور پر بھی یاد کیا جاتا ہے جنگی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے قلم کو بھی تلوار کی طرح استعمال کیا۔ اور اپنے گرداگرد پھیلی ہوئی دنیا میں اپنے افکار کی جڑیں مضبوط کرتے رہے۔ مغل بادشاہ شاہ جہان نے انہیں اپنے ایک فوجی دستے کا سالار مقرر کیا اور انہوں نے بلخ، بدخشاں اور کانگڑہ کی مہمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعد ازاں وہ اورنگزیب کے ساتھ منسلک ہو گئے اور لاتعداد مہمات میں شامل رہے۔

خوشحال خان خٹک مروجہ دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ تھے ان کی شعری تخلیقات میں ہندوستان کے عصری تخلیقی ادب کی تمام تر خصوصیات واضح طور پر نظر آتی ہیں ان کی شعری تخلیقات کو تین ادوار میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی شاعری روحانی تفکرات سے پر ہے۔ قیدی کی حیثیت سے لکھی گئی نظمیں حقیقی زندگی کے مختلف ادوار کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں اور اس کے بعد کے دور کی نظمیں صوفیانہ انداز میں مذہبی جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں قبائلی روایات و انداز کے ساتھ ساتھ اخلاقی، فطری اور انسانی حسن کی ترجمانی جا بجا نظر آتی ہے۔ روحانی تجربات اور آزادی پر مبنی موضوعات کو انہوں نے اپنے پر قوت انداز میں اس طرح ادا کیا کہ ان کی شاعری عوام الناس میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرتی نظر آتی ہے۔ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ان کے گیت آج بھی حجروں اور چوپالوں میں اپنی تانیں بکھیر رہے ہیں۔ پشتو جاننے والا ہر شخص اپنے سینے

میں خوشحال خان خٹک کی شاعری کا کچھ نہ کچھ حصہ لازمی طور پر سنبھالے بیٹھا ہے۔ خوشحال خان کی شاعری میں عربی الفاظ و اصطلاحات محض قرآن کے مطالعہ سے ہی نہیں آئے بلکہ ان کا گہرا مطالعہ عربی کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کی بے ساختہ شعری تلمیحات کو بھی اپنی شاعری میں لے آیا۔ ان کی شاعری میں زباندانی کے تجربوں کے ساتھ ساتھ سر اور لے میں ہم آہنگی بھی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ انہوں نے عربی شاعری کی صنف بیعت کو زیادہ تر اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ جو کہ نہ صرف پشتو زبان میں بلکہ لاتعداد دوسری زبانوں میں بھی بے پناہ مقبول ہے اگرچہ جنگ و حرب ان کا پیشہ تھا لیکن شاعری جیسے نازک جذبے کو انہوں نے اپنے آپ سے الگ نہیں ہونے دیا۔

اورنگزیب ہی کے زمانے میں شہنشاہ نے یوسف زئی قبائل کو زیادہ ترجیح دینی شروع کر دی اور خوشحال کو گرفتار کر کے جے پور کے قلعہ میں سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا۔ قید و بند کی صعوبتوں کے بعد خوشحال خان خٹک کی تمام تر زندگی مغلوں کے خلاف مہمات میں بسر ہوئی اور انہوں نے پشتون قبائل کو متحد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی اس دور کی نظمیں بادشاہی نظام کے خلاف اور قبائل کے اتحاد کے لئے جدوجہد پر مبنی مضامین پر مشتمل ہیں اسی دور کی نظموں میں ‘پشتون تشخص کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقیات ‘تصوف ‘اقدار اور روایات پر مبنی ان کی شاعری آج تک زبان زد خاص و عام ہے۔ خوشحال خان خٹک نے جلاء وطنی کے عالم میں ‘۱۶۸۹ء میں وفات پائی اور اپنے پسندیدہ گاؤں سرائے اکوڑہ میں دفن کیے گئے۔

راحت اور دولت میں دوست بہت ہوتے ہیں

آسودہ حالی اور فارغ البالی میں
دوستیاں بہت ہوتی ہیں
مگر تکلیف اور آزمائش میں
دوست کہاں ملتے ہیں؟

نہ ہمیشہ بہار رہتی ہے اور نہ خزاں
یہ زمانے کا دستور ہے
کہ یہاں ہر ایک چیز آنی جانی ہے
میں ایک آزمائش سے تو
دعاؤں کے سہارے نجات حاصل کر لیتا ہوں
کہ آسمان پھر نئے فتنے برپا کر دیتا ہے

اس دور کے دوستوں کا کیا بھروسہ
دیکھتے ہی دیکھتے بہترین دوست
اغیار بن جاتے ہیں
اپنی جاہ و حشمت کے خیال سے
مجھے جن لوگوں کی طرف آنکھ اٹھانا بھی گوارا نہ تھا
اب انہی لوگوں کے منہ سے

ناگوار باتیں سن رہا ہوں
خواہ اس کی نشو و نما
شہد و شکر سے کیوں نہ کی جائے
پھر بھی ذائقے کی شیرینی میں بیر سے
کھجور نہیں بن سکتا
اگر اسے لعل و جواہر سے مکلل بھی کیا جائے
پھر بھی جوتے دستار کا مقام حاصل نہیں کر سکتے

تم اسے زندگی ہی میں
خوشحال کے دل سے نکالنا چاہتے ہو
تمہاری ناانصافیوں کو میں
قبر میں بھی نہیں بھلا سکوں گا

جب باغ میں پھول کھلنے کا موسم آتا ہے

جب پھول کھلنے اور باغ کے مہکنے کا موسم
آتا ہے
اور چمن میں نرم نرم پھوار پڑنے
لگتی ہے
اس شخص کی قسمت سے کون ہمسری کرے گا
جو ایسے وقت میں باغ کی سیر کرتا ہو

آج میری قسمت میرے ساتھ یاوری کر رہی ہے
خدا کرے کہ قسمت ہمیشہ اسی طرح مددگار ثابت ہو

آج میرا قیام ایسی جگہ ہے
جس کی تعریفیں ہندوستان میں بھی ہوتی رہی ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر
بزرگوں کی نظرِ عنایت پڑی ہے
اسے لیے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں
کہ یہ ساری دنیا میں شہرت پائے گا

اس کے سبزہ زار میں آبِ رواں بہتا چلا جاتا ہے
اور اس کے سبزے پر جوئبار کے نغمے پڑتے رہتے ہیں
ایسے پاک و شفاف اور رواں پانی کے دیکھنے سے
کشمیر کے شالیمار کو بھی
خجالت محسوس ہونے لگتی ہے
بندے کی آنکھوں کو روشن
اور دل کو مسرور کر دیتا ہے

جس وقت فواروں کا پانی پھیل کر بکھرنے لگتا
ہے
جب پانی اوپر سے نیچے کی طرف آتا
ہے
تو یوں لگتا
ہے
جیسے اطراف میں سفید موتی منتشر ہو رہے ہوں
جس جگہ سفید سنگ مرمر کے فوارے بنائے گئے ہیں

اس جگہ پر ارم کا منظر بھی قربان ہو

آپ کہیں گے کہ گویا آسمان گرج رہا ہے
جب آبشار کا پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرنے لگتا ہے
جب اس کے حوضوں پر سے
کسی کا گزر ہو جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے
کہ گویا آئینوں کے اوپر سے گزر رہا ہے

مرغابیاں حوضوں کے اندر غوطے لگاتی ہیں
اور آدمی محل کے سامنے
بیٹھے بیٹھے باز کا شکار کھیل سکتا ہے
تم کہو گے کہ گویا یہ نمرود کی آگ کے شعلے ہیں
جب سرخ لالہ چمن میں کھل کر پھیل جاتے ہیں

سہ برگ کچھ عجیب ہنرمندی سے بنائے گئے ہیں
ان کا فرق کنارے پر معلوم ہو جاتا ہے
چمن کی ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہوئے نظر آتے ہیں
مگر چمپا اور چنبیلی کا منظر ہی کچھ اور ہے
اس باغ میں پھولوں کی کوئی کمی نہیں
مگر سب کا شمار کوئی کیسے کرے

صد برگ ہیں کہ بنفشہ ہیں یا ارغوان ہیں
ہر ایک پھول کے نظارے سے دل کو روحانی سکون ملتا ہے
اس عظیم صانع کی صنعت گری کے صدقے جاؤں
جس نے اس قسم کی حسین نقش و نگاری کی ہے

اس کے تمام درخت آسمان سے ہمسری کرتے ہیں
مگر ان میں ولے اور چنار کے درخت خاص نمایاں ہیں
یہاں پرندے ہزار ہا قسم کی آوازیں نکالتے ہیں
جس وقت چنار کے درختوں میں یہ چہچہانے لگتے ہیں
یہ (درخت) پرندوں کی نغمہ سرائی سے ہلتے ہیں

نہ کہ یہ ہوا کے چلنے سے جھومتے ہیں

اس میں ایک سفید محل تعمیر کیا گیا ہے
اور اس کے ہر مکان کے اندر سے
نہر کے پانی کی آواز سننے میں آتی ہے
اس میں دو سو یا تین سو روشیں بنائی گئی ہیں
اور ان کی سفیدی کے آگے
اور چونار کی سفیدی بھی ہیچ دکھائی دیتی ہے

اس کی ہوا اس قدر صحت بخش ہے
کہ اس میں اسی سال کا مریض بھی صحت یاب ہو گا
کیا عجب اگر اس میں بوڑھے بیٹھ جائیں اور جوان ہو جائیں
اس باغ کی ہوا پر مجھے اتنا اعتماد ہے

یہ مکان کو
بہشت میں شامل کر لیا جائے گا
اگر رضوان کو اس کی نشاط کا پتہ چل جائے
اس کی کماحقہ تعریف کرنا
قلم کی بس کی بات نہیں
اور اگر میں تعریف کی تفصیل بیان کرنے لگوں تو مبالغہ ہو گا

اس کی بنیاد آصف خان کے ہاتھوں رکھی گئی
اب خرم (شاہجہان) کے حکم سے اس میں کام ہو رہا ہے
ایک ہزار انسٹھ سن ہجری (۱۰۵۹ھ) تھا اور نور روز کی بارہویں تاریخ تھی
کہ میں نے یہ اشعار موزوں کیے

"خوشحال" پر اتنا کہنا لازم تھا جتنا کہ بیان کیا گیا
اس کے علاوہ مزید تفصیل کی اجازت عقل نہیں دیتی

تیری جستجو میں کوتاہی ہے

اے درویش!
مجھے تیری جستجو میں تساہل پسندی نظر آتی ہے
اس لیے تو اس گھر (دنیا) کے حصے سے محروم رہا ہے

ہر سو نعمتوں کا جال بچھا ہوا ہے
اور ڈھونڈنے والے پر کوئی پابندی نہیں

اس دنیا میں جتنی طلب ہو اتنا ہی ملتا ہے
بلکہ بعض اوقات طلب سے بھی بڑھ کر ملتا ہے

ان لوگوں کو شہد کی شرینی کب نصیب ہوتی ہے
جو شہد کی مکھی کے ڈنگ سے ڈرتے ہوں

طبیب کی تلاش بروقت کرنی چاہیئے
اگر تجھے اس دنیا میں

روحانی عوارض سے زندہ رہنے کی خواہش ہو
مجھے کسی بھی دین میں وفاداری نظر نہیں آئی

مجھے ہر ایک دین اور کیش کا علم ہے
جس تیر سے مجھے زخم لگا دیکھا تو

میرے بدن پر لگا ہوا تیر
میرے اپنے ہی ترکش کا تھا

مجھے کسی دوسرے کے ہاتھ سے
زیادتی کی نہ فکر ہے اور نہ ڈر

جب تک میرے ہاتھوں سے
کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو جائے

بہت سے لوگ آئے اور ہوا کی طرح گزر گئے

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے
بہت سے لوگ اس دنیا میں آئے

اور ہوا کے جھونکوں کی طرح اڑ کر چلے گئے
اسی طرح ہی آجاتے ہیں اور گزر جاتے ہیں

اور کسی جگہ مستقل قیام نہیں کرتے
یہ (دنیا) عجیب و غریب قسم کا کارخانہ ہے

جسے ایک عظیم استاد نے پیدا کیا ہے
پانی کے بلبلے پر غور کرو

کیا بلبلہ اور کیا اس کی بنیاد
تو اپنے معاملے کو اس طرح خیال نہ کر

میں نے تو فقط ایک اچھی مثال
بطور ثبوت پیش کی ہے

تو اپنی حقیقت سے آگاہ نہ ہوا
افسوس! افسوس! افسوس

تم کس چیز سے اتنے پریشان ہوتے ہو
اور پھر کس چیز سے اتنے خوش ہو جاتے ہو

اے "خوشحال"! یہ جو اتنے بے شمار مصائب جھیل رہا ہے
یہ تیرا دل ہے کہ فولاد کا کوئی ٹکڑا؟

یہ تمہارے رخسار نہیں ہیں بلکہ......

تمہاری کالی زلفوں کے نیچے
یہ تمہارے رخسار نہیں ہیں
بلکہ یہ تو پھولوں پر

سنبل کی تازہ پتیاں پڑی ہیں
مجھے مدتوں سے جس کی تلاش تھی
آخر قسمت کی مہربانی سے
وہ محبوب مجھے ملا

جس کی تعریف کے سب گن گاتے ہیں
خواہ وہ قیس تھا، وامق تھا کہ خسرو
جو بھی دل کے معاملے میں گرفتار ہوا
اس پر سینکڑوں رحمتیں ہوں

دیگر لوگ فانی ہیں
فقط وہی باقی ہیں
جن کی یادیں اس فانی دنیا میں
آنے والے وقتوں میں تازہ ہوتی رہیں

اور باتیں چھوڑ دو
یہ صرف اپنے لیے ایک نصیحت ہے
شمع کو دیکھو اگر کوئی ہنستا ہے
تو خود بخود روتا بھی ہے

دیکھو! تم کہاں ہوتے ہو
اور "خوشحال" کن ملکوں میں پڑا ہے؟
پھر بھی میرے دل پر
تیری کالی زلفوں کی رسیاں لڑھک رہی ہیں

وہ جو بڑھاپے میں جوانی کی ہوس رکھتا ہے

بوڑھا آدمی
جب جوانی کی ہوس رکھتا ہے
اسے کہہ دیجئے کہ یہ تو تم انتہائی شرمندگی کی حرکت کرتے ہو

چونکہ اس پر بڑھاپے اور جوانی کا دور
ایک ہی سال میں آکر گزر جاتا ہے
اس لیے آدمی کے معاملے سے سپند کا معاملہ اچھا ہے

کبھی کھانا کھا کھا کر تو اتنا سیر ہو جاتا ہے
کہ مزید کھانے کو جی نہیں چاہتا
اور کبھی حریص نگاہوں سے کھانے کو تکتا رہتا ہو

لوگ ہیں کہ نیتوں، باتوں اور ہاتھوں کے ساتھ
ایک دوسرے کے ساتھ
مشت و گریبان ہیں

اب جبکہ میری داڑھی سفید ہو چکی ہے
تو مجھے موت کا کیا ڈر
میرے احباب تو سیاہ بالوں (عالم جوانی) میں
مجھ سے بچھڑ گئے ہیں

جن لوگوں کا فرمان روئے زمین پر چلتا تھا
آؤ اور دیکھو کہ وہ زیر زمین پڑے ہیں

غور سے دیکھو تو یہ دنیا
دوڑتے لڑھکتے ریت کی مانند ہے
بس یوں ہی الٹتا پلٹتا رہتا ہے

مجھ "خوشحال" نے تقدیر کا تنور دیکھ لیا
اس میں خشک و تر بلا تفریق جلتے ہیں

میں راستے پر جا رہا تھا کہ.......

میں راستے پر جا رہا تھا
کہ مجھے ایک حسینہ ملی
وہ شوخ، غمزہ زن، خنداں رو اور خود آرا تھی

اس کی شکل و شباہت عورت کی تھی
مگر عادات و اطوار پریوں کے تھے
اس کا بدن چاندی کی طرح سفید
مگر دل پتھر کی طرح سخت تھا

ہم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے
شہر میں داخل ہوئے مگر وہ مجھ سے بچھڑ گئی
اب میں بخارا کی گلی گلی میں اسے تلاش کر رہا ہوں

اس کا حسین بدن بہت زیادہ نشانیاں رکھتا ہے
مگر میں ان میں سے چند ایک نمایاں نشانیاں
تمہیں بیاں کرنا چاہتا ہوں

دراز قد اور نوخیز ہے
قامت میں سرو جنتی بلند
اور کمر بال کی مانند باریک

اس کے رخسار
گلاب کے پھولوں سے بھی زیادہ حسین ہیں
اس کے دانت در گوہر، لب گویا شکر
اور اس کے ابرو کمان کی طرح ہیں

اس کی کالی پلکیں گویا تیر ہیں
اور اس کی دونوں آنکھیں خونخوار ہیں
اس کی ناک چنبیلی کی کلی
اور ذقن سیب کی مانند ہے

اس کے چہرے کے خال مشک افشاں
اور اس کا چہرہ چاندنی کا ٹکڑا دکھائی دیتا ہے

جواہرات اور موتیوں کا دوہرا ہار
گلے میں لٹکائے ہوئے ہے
اس نے اپنا سیاہ اور بل بڑے سلیقے سے سجا رکھا ہے
اور اس کی زلفیں عنبر بیز ہیں
اس کے بدن کے سارے کپڑے گلابی رنگ کے ہیں
جن پر طلائی کشیدہ کاری کی گئی ہے

وہ ایک شعلہ جوالہ تھا
خدا کے واسطے اگر اسے کسی نے دیکھا ہے
تو مجھے اس کا پتہ بتادے
اے میری قسمت! ہمیشہ کی طرح
تو اب کی بار بھی میری مدد کر
اور مجھے اس گمشدہ حسینہ کی کوئی نشانی بتا دے

تم اپنے دونوں لب کھول تو دو

تم اپنے دونوں ہونٹ کھول دو
اور اپنے عاشق کے لئے موتی بکھیر دو

جب میں تمہارے رخسار پر نظر ڈالتا ہوں
تو میرا دل باغ میں جانا پسند نہیں کرتا

پھول کی پنکھڑیوں پر
خجالت کا پسینہ نمودار ہونے لگتا ہے
جب وہ تیرے چہرے کی طرف دیکھ لیتا ہے

ممکن ہے تو میرے ہاتھ آجائے
میں اپنی باری کا انتظار کر رہا ہوں

محبوب وفا کرے یا جفا کرے
یہ راز اغیار پر کھلنے نہ پائے

تم آئینے کو غور سے دیکھو
اگر تیرا دل گلزار کی سیر کرنا چاہے

اے خوشحال! تو کس کے سامنے فریاد کر رہا ہے
جبکہ کوئی بھی تیری فریاد سننے والا نہیں

جب میں نے تیری کالی آنکھیں دیکھ لیں

میں نے تیری کالی آنکھیں دیکھ لیں
اب میں ان آنکھوں کو
کبھی نہیں بھلا سکوں گا

تیری آنکھیں یا تو باز کی ہیں
یا مور کی اور یا شاہین کی
یا اگر دیکھا جائے تو
کالے ہرن کی آنکھوں کی مانند ہیں

جس طرح کسی مرغزار میں ہرنی کے بچے پال رکھے
یہی کیفیت تیرے بکھرے اوربل کے سائے تلے
تیری آنکھوں کی ہے

جس طرح کہ اسلحہ میں ڈوبے ہوئے سوار
کندھوں پر نیزے اٹھائے میدان جنگ کی طرف جا رہے ہوں
یہی منظر تیری آنکھوں کی
لمبی لمبی پلکیں بھی پیش کرتی ہیں

جس طرح کوئی شراب کے پینے سے مست ہو جائے
اسی طرح تیری نشیلی آنکھیں دیکھ کر
میں مست ہو جاتا ہوں

شیخ ہوں، زاہد ہوں یا عابد ہوں
تیری آنکھیں
ان سب کے دلوں کی چور ہیں

اے خوشحال! تجھے جس کی ملاقات کی تمنا تھی
وہ تیرے سامنے ہے
اب اسے آنکھیں بھر کر دیکھ لو
بشرطیکہ تیری آنکھیں نابینا نہ ہوں

ہر سو پھول کھلے ہیں

ہر سو پھول کھلے ہیں
لالہ و نرگس ہیں اور سنبل بھی
ایسے موسم میں اگر کوئی
باغ کے علاوہ کسی دوسری جگہ چلا جائے تو برا کر رہا ہے

بعض لوگ تو اپنے بیشمار مال و دولت
اور سرمایوں کو لئے تیری طلب کرتے ہیں
اور بعض مصلوں سے لنگوٹے باندھ کر
تجھے ڈھونڈتے ہیں

کاش کہ قیامت کے روز
نیکی کا پلڑا بھاری نکلے
تم رقیبوں کے لئے موم
اور عاشقوں کے لئے سنگدل بن جاتی ہو

اسے قتل کرنے کے لئے
دہلی کے لاؤ لشکر پہنچ گئے
مگر ایک تو ہے کہ "خوشحال" کو "بیچارہ" جان کر
اسے قتل کرنے میں عار محسوس کرتی ہو

اے شیخ! میں تو شرابی ہوں

اے شیخ! میں تو شرابی ہوں
تو مجھ سے کیوں لڑتا ہے؟
قسمت کی تقسیم تو ازل سے ہوئی ہے
کاش تم مجھے بھی اپنے جیسا بنا سکو

اے واعظ! تمہاری باتیں بہت قیمتی ہیں
اللہ تعالیٰ تیری زبان پر برکت نازل کرے
تم یقیناً اچھے ہو کیونکہ تم اپنی باتوں سے دریا کا پانی منجمد کر دیتے ہو

وہ لوگ جو دانائی سے بے خبر تھے
جنت میں چلے گئے
جو لوگ عقلمندی کی ڈینگیں مارتے تھے
وہ دوزخ چلے گئے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت
ابو جہل کے کام نہ آئی
جن لوگوں کے دل کے آئینوں کو
اللہ تعالیٰ خود زنگ لگائے
انہیں کون صیقل کرے گا؟

اے شیخ! تو مجھے خلوت میں بیٹھنے کا فائدہ تو بتا
تو اس وسیع دنیا کو خود پر تنگ کیوں کرتا ہے

مجھے تو ہر ایک مذہب میں درد دل کی تلاش ہے
تم جانو اور تمہاری باتیں
جو طرح طرح کے افسانے گھڑتے ہو

اے مطرب! آجا نوروز کا سرور آغاز کر
اور رباب و چنگ و نے میں
سوز سے بھرے نغمے بھر دے

تم نے کس انداز میں زلفوں میں خم بنا دیے

تم نے کس انداز میں
اپنے گیسوؤں میں خم بنا دیے
کہ تو نے بستیوں کی بستیاں
الٹ کر کے رکھ دیں

اس کی کالی زلفیں زنجیریں ہیں
اور اس کا چہرہ کعبہ ہے
اگر تم حج کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہو
تو ان زنجیروں کو دونوں ہاتھوں سے تھام لو

اگر یہ زنجیر لحظہ بھر بھی تیرے ہاتھ آجائے
تو پھر تم ہمیشہ کے لئے
اپنے دل کے حال پر خوش رہو گے

تم اس وقت کی کیفیت کی لافزنی کرو
جب تم خدائے واحدہٗ لاشریک کے تصور کے علاوہ
باقی تمام باتیں دل سے نکال دو

میں تیری خاطر نام و ننگ سے بھی گزر گیا
تم کب تک میرے دل کے معاملہ میں
مجھے دھمکیاں دیتی رہو گی

میں جب قندوگل کی بات کرتا ہوں
تو اس سے میرا مقصد یہ ہوتا ہے
کہ تم چند دشنام آمیز بوسے مجھے عنایت کر دو

"خوشحال" کا دل اپنی زندگی سے بیزار ہوا
کیونکہ تم غمزے کا تیغ مجھ پر چلانے میں
پس و پیش کر رہی ہو

پھر مغنی کا رباب نغمہ سرا ہے

پھر مغنی کا رباب نغمہ سرا ہے
اور ہر نغمہ میں نئی نئی حکایتیں بیاں کرتا ہے

شیخ صومعے کے گوشے میں خلوت گزین رہے
اور میں پھولوں کی سیر کروں گا
کیونکہ بہار کے پھول
مجھے یہی اشارہ دے رہے ہیں

بھکاریوں کو پیٹ ہی کا غم کافی ہے
اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت
اور مملکت کی فکر کرنی چاہئے

وفا کے دوران اس کے مہرو کرم کا کیا کہنا
جب جفا کے دوران وہ اتنی مہربان ہوتی ہے

اس کے روٹھ جانے پہ میں
خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات کا
شکار ہو جاتا ہوں

جس طرح کہ کوئی کسی کا
شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ گلہ
بھی کرتا جائے

یہ میری خوش بختی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے
کہ وہ رقیب سے اس حد تک شکایت کرنے لگی ہے

اگر حسینوں کے وصل کی چاہت گناہ ہو
پھر تو "خوشحال خٹک" ساری عمر یہی گناہ کرتا رہے گا

تجھے آسمان کے جور و ستم کی کیا خبر........

تجھے آسمان کے جور و ستم کی کیا خبر؟
میرے دل میں کئی قسم کے غم ہیں

جن لوگوں کے سر ہمیشہ میرے پیروں پر پڑے رہتے تھے
آج وہی لوگ میرے سر پر پاؤں رکھتے ہیں

جو ہمیشہ میری مہربانی کی آس لیے بیٹھے رہتے تھے
اب وہ مجھ پر اپنی نوازشات کا احسان جتا رہے ہیں

وہ لوگ جو میرے مرہم کی بدولت دنیا میں سلامت پھرتے ہیں
وہی لوگ میرے مرہم کا تمسخر اڑاتے ہیں

میں کن کے لئے شمشیرزنی اور خامہ آرائی کروں اور ان کا قدر دان کون ہے؟
خدا ان تلواروں اور قلموں کو آگ میں جھونک دے

یہ ننگ افغانی فقط میری ذمہ داری نہیں
پہاڑوں اور میدانوں میں اور بھی بے شمار پشتون بستے ہیں

یا تو سب مغلوں کے درم سے دست کش ہو جائیں گے
یا میں بھی درم ہاتھ میں تھام لوں گا

جو مغلوں کا شوربہ کھاتے ہیں وہ سب کتے ہیں
میں کتوں کے کیا کیا نام لوں گا؟

خٹک ہیں کہ بنگش ہیں یا اورکزئی ہیں
ان سب کے گھروں میں باری باری ماتم برپا ہو

یا تو انتقام کا غصہ سب پر ٹھنڈا کروں
اور یا پھر ننگ کا یہ شیوہ چھوڑ دوں

میں غیروں سے کیا گلہ کروں
جب میرے اپنے ہی میرے درپئے آزاد ہیں

نافرمان بیٹا کسی کے گھر میں پروان نہ چڑھے
جو اپنے والد کو اذیت پہنچانے کی قسم کھائے

جب شاعر کو اپنے کسی غلط شعر کا علم ہو جاتا ہے
تو وہ اس غلط شعر کو قلمزد کر دیتا ہے

میں حیران ہوں کہ میرے ساتھ اپنے اور پرائے
اس قسم کی عیاری، جادوگری اور چالبازی کیوں کرتے ہیں

اگر میں اپنے دل کے غم قبر میں لے جاؤں
تو میری قبر ماتم خانہ بن کر رہے گی

خزاں

جب میزان (۲۱ ستمبر تا ۲۰ اکتوبر) کی تحویل ہونے لگتی ہے
تو موسم سرما اپنا نشان (جھنڈا) دکھانے لگتا ہے

اس کا نشان کیا ہے سہیل کا ستارہ
جو آسمان پر نمودار ہو جاتا ہے

گرمی کی ماری ہوئی بیمار دنیا میں
پھر سے زندگی عود کر آتی ہے

خوراک میں لذت آجاتی ہے
اور پانی بھی طبیعت پر موافق آنے لگتا ہے

مشتاق لوگ لب سے لب
اور پہلو سے پہلو ملا کر سوتے ہیں

کپڑے کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے
اور عراقی گھوڑے زین قبول کرنے لگتے ہیں

نہ تو جوان زرہ بکتر کی وجہ سے خود کو بوجھل محسوس کرتا ہے
اور نہ گھوڑوں کو برگتواں بھاری محسوس ہوتا ہے

شکار کے شوقین لوگوں کے دلوں میں
ان دنوں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے

شمال کے تمام پرندے
جنوب کی طرف کوچ کرنے لگتے ہیں

سوات کی طرف سے اچھے باز
سیاحت پسند جوگیوں کی طرح وارد ہو جاتے ہیں

چاند کی روشنی میں کونجیں
فضاؤں میں آوازیں دینے لگتی ہیں

قازیں، بطخیں اور مرغابیاں
سینکڑوں کی تعداد میں جگہ جگہ پھیل جاتی ہیں

چکور میدانی علاقوں میں اتر آتے ہیں
اور کھیتوں میں دہقانوں کا دانہ چگتے ہیں

تلور بھی کھمبیوں کی طرح
خود کو میدان میں ظاہر کرنے لگتے ہیں

شاہین ہو کہ چرخ یا باز ہو
میر شکاری انہیں اٹھا لیتے ہیں

صد برگ کے پھول کھل جاتے ہیں
جو رنگ میں زعفراں سے بھلے لگتے ہیں

کوئی شکار کا شوق لیے پھرتا ہے
اور کوئی باغ کی سیر کرتا ہے

عباسی کے پھول دو تین رنگوں
یعنی سفید، زرد اور ارغوانی میں کھل جاتے ہیں

چنبیلی کے پھول کی خوشبو
ہر ایک درخت کے پہلو سے آتی ہے

اس وقت سبزہ کے ساتھ ساتھ
ریحان بھی عجیب سماں پیش کرتا ہے

ہر ایک درخت میں طرح طرح کی
نرم نازک شاخیں نظر آنے لگتی ہے

بلبل ہیں کہ طوطے
ہر طرف چہچہاتے رہتے ہیں

اس موسم کی ہوا کا کیا کہنا
یہ جنت کے بغیر کسی دوسری جگہ نہیں ملے، گی

اگر سچ کہوں تو اس موسم کو
بہار کے موسم پر برتری حاصل ہے

اس موسم میں رہائی ملتی ہے
اور بہار کا موسم زنداں کا باعث بنتا ہے

"خوشحال" تیری بہت زیادہ قدر کرتا ہے
اے سرخ ستارے! تو اس کی جان ہے

جب وہ تجھے دیکھ لیتا ہے
تو اسے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے

(۱) اپنی اسیری اور رہائی کی طرف اشارہ ہے

معجزات

حضرت عیسیٰؑ نے پوری زندگی میں
کسی ایک نادان کو دانا نہیں بنایا

ہر چند کہ وہ معجزے کی بدولت
نابیناؤں کو بینائی عطا کر سکتا تھا

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے روز
ازل سے بینائی سے محروم رکھا

یہ کس کی بس کی بات ہے
کہ نادان کو دانا بنا دے

نادان اگر کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ بھی لے
تو اس کا حال وہی ہوتا ہے

جس طرح کہ کسی سفید ریش بوڑھے کے
بالوں کو خضاب لگا کر اسے جوان بنایا جائے

قید خانہ سے پیغام

اے باد نسیم!
اگر خیر آباد سے تیرا گزر ہو جائے

یا سرائے اکوڑہ کے دریا (کابل) کے
علاقے پر سے تو گزر جائے
انہیں بار بار میرا سلام عرض کر دینا

اور ساتھ ساتھ میری طرف سے
آداب و تسلیمات بھی بجالانا
دریائے سندھ کو با آواز بلند پیغام دینا

اور لنڈے (دریائے کابل) کو
نرم لہجے میں کہہ دینا
ممکن ہے مجھے پھر تمہارے
جام نصیب ہو جائیں

میں ہمیشہ کے لئے تو گنگا جمنا کے دیس میں
نہیں رہوں گا
جب ہند میں پہاڑوں کا ٹھنڈا پانی نہیں ملتا

یہ نعمتوں سے بھرپور سہی
اس سے میری توبہ ہے

اے "خوشحال!" تو ہمیشہ کے لئے
تو ہند میں نہیں رہے گا
انجام کار گنہگار جہنم سے نکل جائے گا

آدم خیل دوشیزائیں

آدم خیل آفریدیوں کی دوشیزائیں
سرخ و سفید ہوتی ہیں
ان میں سے بعض تو نہایت حسین
اور جاذب نظر ہوتی ہیں

ان کی آنکھیں موٹی، پلکیں دراز
اور ابرو کشادہ ہوتے ہیں
وہ شکر لب، گل رخسار
اور مہ جبیں ہوتی ہیں

ان کے دہن کلی کی طرح تنگ
اور دانت ہموار ہوتے ہیں
ان کے سر گول اور ان گول سروں پر
کالی عنبریں زلفیں لہراتی ہیں

ان کے بدن انڈے کی طرح
بالوں سے پاک ہوتے ہیں
ان کے پاؤں چھوٹے چھوٹے
پنڈلیاں گول اور سر کے بال بکھرے ہوتے ہیں

ان کے پیٹ کھنچے ہوئے
سینے کشادہ اور کمریں پتلی ہوتی ہیں
ان کے قد الف کی طرح سیدھے
اور تن چاندی کی طرح سفید ہوتے ہیں

اگرچہ میں باز کی طرح
پہاڑوں میں گھومتا پھرتا ہوں
اس لئے سیمیں تن چکوریوں کا
شکار بھی مجھے نصیب ہوا

باز چاہے جوان ہو یا عمر رسیدہ
مگر شکار کی طلب کرتا ہے
بلکہ جوان باز کے مقابلے میں
بوڑھے باز کا حملہ زیادہ موثر ہوتا ہے

ماترے کے پہاڑ کا پیچ و خم راستہ
سیدھا آسمان تک چلا گیا ہے
اس پر چلتے وقت پنڈلیاں
جواب دے جاتی ہیں

پانی یا تو دریائے کابل کا اچھا ہے .
یا دریائے باڑا کا
جو پیتے وقت شربت
سے بھی زیادہ اچھا لگتا ہے

آدم خیلوں کے ساتھ میں
تیراہ کے راستے چلا آیا
میں نے انہیں بظاہر تو ہنسی خوشی الوداع کہا
مگر میرا دل بہت پریشان تھا

اے "خوشحال!" محبت کا معاملہ بھی آگ کی مانند ہے
تو اگر اس کا شعلہ چھپانے کی کوشش بھی کرے
مگر اس کا دھواں چھپائے نہیں چھپتا

زمزمہ بہار

یہ بہار پھر کہاں سے آئی
جس نے ہر سو ملک کو ایک گلزار بنا دیا

ارغوان ہیں، لالہ و چنبیلی ہیں اور ریحان ہیں
اسی طرح یاسمن ہیں، نسترن ہیں
اور نرگس و گلنار بھی ہیں

بہار میں بیشمار پھول اور بھی کھلتے ہیں
اور مختلف رنگوں میں کھلتے ہیں
مگر سرخ لالہ ان سب میں نمایاں نظر آتا ہے

دوشیزائیں پھولوں سے ہاتھ بھر بھر کر
اپنے گریبانوں میں ڈال رہی ہیں
اور جوانوں نے اپنی پگڑیوں میں گلدستے سجائے ہیں

اے موسیقار! تو سارنگی پر کمانچہ چڑھا
اور ہر تار اور ہر پردے سے نیا نیا نغمہ نکال

اے ساقی! آجا اور مجھے بھرے بھرے جام عنایت کر
تاکہ میں نشئہ مے میں سرشار ہو جاؤں

پشتون جوانوں نے پھر اپنے ہاتھ رنگ لیے
جس طرح کہ باز اپنے شکار سے پنجے سرخ کر دیتا ہے

انہوں نے اپنی سفید تلواریں
خون میں گلگوں کر ڈالیں
اور اہاڑھ کے مہینے میں لالہ زار کھل گیا

ایمل خان، دریا خان دونوں کو موت نہ آئے
ان دونوں نے باری باری کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی

انہوں نے درۂ خیبر کو خون میں رنگ دیا

اور کڑپہ میں بھی طوفان برپا کیا

کڑپہ سے باجوڑ تک سارے میدان
اور پہاڑ لرز رہے ہیں
گویا ان سب پر بار بار زلزلہ آتا رہا ہے

پانچواں سال پورا ہونے کو ہے کہ اس طرف
ہر روز سفید تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے

پہلی جنگ تہترہ کی بلند چوٹی کی پشت پر لڑی گئی
جس میں چالیس ہزار مغل ہلاک ہوئے

ان کی بہنیں اور بیٹیاں پشتونوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئیں
گھوڑے، اونٹ اور ہاتھی قطار اندر قطار
مال غنیمت میں ہاتھ لگے

دوسری لڑائی میر حسینی کے خلاف
دوابہ میں لڑی گئی
جس میں اس کا سر سانپ کی طرح کچل دیا گیا

اس کے بعد نوشہرہ کے قلعے کی لڑائی ہوئی
جس میں میں نے مغلوں پر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا

اس کے بعد جسونت سنگھ اور شجاعت خان تھے
جن کا دم خم ایمل خان نے گنداب میں نکال لیا

چھٹی لڑائی میں مکرم خان (میر محمد اسحاق)
اور شمشیر خان (میر محمد یعقوب) دونوں شامل تھے
جنہیں ایمل خان نے خاپش میں تہس نہس کر دیا

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے بڑی بڑی لڑائیاں یہی ہیں
باقی رہیں چھوٹی لڑائیاں
وہ تو ہر روز ہر طرف لڑی جاتی رہی ہیں

ابھی تک تو ہر جگہ ہمیں فتح و نصرت نصیب ہو رہی ہے
اس کے بعد اللہ مالک ہے
اس پر میرا بھروسہ ہے

ایک سال کا عرصہ ہوتا ہے
کہ اورنگزیب نے ڈیرے جمائے
مگر وہ بہت زیادہ پریشان اور دل گرفتہ ہے

ہر سال امراء آتے ہیں اور گرتے رہے ہیں
اور جو لشکر تباہ ہوئے ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں

ہندوستان کے خزانے ہیں
کہ ہر جگہ گردش کر رہے ہیں
اور سونے کے مہر پہاڑوں کو چھید رہے ہیں

بادشاہ کی بدنیتی میں کوئی کمی نہیں
اور اسی بدنیتی کی بنا پر وہ
اپنے والد کے آزار کا مرتکب ہوا

یہی وجہ ہے کہ اب اس پر
کسی کا بھی اعتماد نہیں رہا ہے
وہ بدنیت بھی ہے، وعدہ خلاف بھی اور مکار بھی

اب تو ہمارے مابین کوئی تیسرا راستہ باقی نہیں رہا
یا تو مغلوں کو بوریا بستر لپیٹنا ہو گا یا پھر پشتون
بے عزتی اور ذلت کی زندگی گزاریں گے

غزل

تم نے کہا کہ اب میں تمہاری ہوں اور تو میرا ہے
بات تمہاری سچی ہے یا جھوٹی
مجھے تو تو نے زندگی دے دی

تم بلا کی حسین اور بے نظیر محبوبہ ہو
کاش کہ تم میں سنگدلی کا یہ عیب نہ ہوتا

اگر ساری دنیا حسینوں کا مسکن ہو اور ہر سو محبوب ہی
محبوب نظر آئیں
پھر بھی تجھ جیسی زیبا محبوبہ کا ملنا گویا معجزہ ہو گا

اتنے سارے قتل کر کے بھی تجھے کوئی غم نہیں
ہاں! جلاد اگر سینکڑوں لوگوں کو قتل کرے
تو اس کی کیا پروا

جب میں تیرے باغ و بوستان سے
تیرے ہی ہاتھ سے پھول مانگوں
تو مجھے خس وخاشاک بھی دے
تو میں اسے پھول سمجھوں گا

جب تک "من بندۂ عشق" زندہ ہے
میں ان زلفوں کا اسیر ہوں
جن کے ہر ایک تار میں ہمیشہ
سینکڑوں دل بندھے رہتے ہیں

بڑے ہیں یا چھوٹے سب تیرے وصل کے پیچھے
دیوانے ہو رہے ہیں
اس شہر میں کوئی بھی فرد ایسا نہیں
جو تجھ پر فریفتہ نہ ہو

سروے کا درخت دیکھو لحظہ بھر میں
نظروں سے گر جاتا ہے
جس وقت تم اس قدو قامت کے ساتھ
باغ میں گھومنے لگتی ہو

کل کی جنت تو ادھار کی جنت ہے
یہ زاہد اور ملا کو نصیب ہو
تیرے وصل سے "خوشحال" کو ہاتھوں ہاتھ جنت مل گئی

سلطان باہو

(۱۶۳۱ء ۔ ۱۶۹۱ء)

مترجم

مسعود قریشی

سلطان باہو

(۱۶۳۱ء۔ ۱۶۹۱ء)

راشد متین

پنجاب کے صوفی اکابرین میں سلطان باہو کو بھی ممتاز ترین مقام حاصل ہے۔ ان کا تعلق شاہ جہاں کے عہد کے ایک جاگیردار خاندان سے تھا جس کا تعلق پنجاب کے ضلع جھنگ سے تھا۔ ان کے والد بایزید محمد ایک صالح شریعت کے پابند حافظ قرآن فقیہہ' دنیاوی تعلقات سے آشناء سلطنت دہلی کے منصب دار تھے باہو ۱۶۳۱ء میں جھنگ کے موضع اعوان میں پیدا ہوئے انہوں نے ظاہری علوم کا اکتساب باقاعدہ اور روائتی انداز میں نہیں کیا بلکہ زیادہ تر ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "اگرچہ میں ظاہری علوم سے محروم ہوں لیکن علم باطنی نے میری زندگی پاک کردی ہے۔" مرشد کی تلاش میں سرگرداں ہوئے تو ان کی ملاقات شور کوٹ کے نزدیک گڑھ بغداد میں سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ شاہ حبیب اللہ سے ہوئی۔ اور جب مرید مرشد سے بھی آگے بڑھ گیا تو مرشد نے انہیں سید عبدالرحمن کی جانب رجوع کرنے کا مشورہ دیا اورنگزیب کے عہد میں وہ سید عبدالرحمن سے ملنے دہلی پہنچے مگر معروضی حالات کی بنا پر ان کے عالمگیر کے ساتھ تضادات پیدا ہو گئے اسی بنا پر وہ دہلی سے واپس چلے گئے اور بقیہ زندگی روحانی ریاضتوں اور لوگوں کو روحانی فیض پہنچانے میں بسر کی۔ وہ دوسرے صوفیاء کی طرح محض درویشانہ زندگی نہیں گزارتے تھے بلکہ ایک بڑے خاندان میں کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی زندگی کا انداز بلاشبہ روائتی صوفیانہ زندگی سے مختلف تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے سب کچھ تیاگ دیا تھا۔

ان کی تصانیف کی طویل فہرست عربی فارسی اور پنجابی زبانوں پر محیط ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف مروجہ زبانوں پر عبور حاصل تھا بلکہ وہ مذہبی علوم سے بھی کماحقہ فیض یاب ہوتے تھے۔ ان کی شاعری میں ایک سرور انگیز مقدس آواز کی صورت میں لفظ "ہو" کا استعمال انہیں تمام صوفی شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ بظاہر فلسفیانہ موشگافیوں سے پرہیز کرتے اور سیدھی سادھی باتیں خطبیانہ انداز میں کہے چلے جاتے جن کا مطالعہ بلاشبہ ہماری دیہاتی دانش کا مطالعہ ہے ان کی شاعری سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ قادریہ کے دوسرے صوفیاء سے مختلف نہیں ہیں ایک جگہ لکھتے ہیں میں نہ تو جوگی ہوں نہ جنگم نہ ہی سجدوں میں جاکر لمبی لمبی عبادتیں کرتا ہوں نہ میں ریاضتیں کرتا ہوں میرا ایمان محض یہ ہے کہ جو لمحہ غفلت کا ہے وہ لمحہ محض کفر کا ہے۔

سرچشمہ علوم و فیوض ہیں۔ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک سو چالیس کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بہت سی کتابیں امتداد زمانہ کے ہاتھوں ناپید ہیں تاہم اب بھی ان کی بہت سی کتابیں دستیاب ہیں اور علماء نے ظاہر کے مقابلے میں سلطان باہو فقر کا تصور پیش کرتے ہیں جہاں علماء لذت نفس و دنیا میں مبتلا ہو کر نفس پروری کرتے ہیں اور لذت یاد الہٰی سے بے گانہ رہتے ہیں وہاں فقراء شب و روز یاد خدا میں غرق ہو کر امر ہو جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ترک دنیا اور نفس کشی کے خیالات بکثرت ملتے ہیں۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق دین و دنیا دو ایسی متضاد قوتیں ہیں جن کے باہمی تضادات کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان باہو کا وصال ۱۶۹۱ء میں ہوا۔

(۱)

الف اللہ چنبیلی کا پودا ہے
جو میرے مرشد کامل نے میرے دل میں کاشت کیا
اس پودے کے ہر رگ وریشے کی
ہر مقام پر نفی اور اثبات (لاالہ اللہ) سے آبیاری کی گئی۔

یہ پودا جب میرے دل میں نشو و نما پاکر مشکبو ہوا
تو اس سے میری جان تک مہک اٹھی۔

اے باہو! میرا مرشد کامل ہمیشہ سلامت رہے
جس نے ایسی مشکبار بوٹی لگا کر مجھے مہکادیا۔

(۲)

جب ذات احد کی تجلیات کا قلب پر نزول ہوا
تو میں خود سے فانی یعنی بے خود ہو گیا۔

فنافی الذات ہونے پر
نہ قرب و وصال کا احساس باقی رہا نہ مقام و منزل کا
نہ وہاں جسم اور جان میں کوئی دوری تھی۔

محویت حق کے اس مقام پر
نہ عشق و محبت اور نہ کون و مکان کا
احساس باقی رہتا ہے
کہ یہ سب دوری اور دوئی کی باتیں ہیں۔

اے باہو! ہم اس عالم میں
اللہ تعالیٰ کی وحدت کا عین راز بن گئے۔

(۳)

ذات واحد میرے ظاہر و باطن میں جلوہ ریز ہے
باہو تو اسے کہاں تلاش کر رہا ہے۔

اللہ کی محبت کا درد و داغ
میرے ہر سانس کو سوز عطا کیے ہوئے ہے۔

جہاں بھی ہو کی تجلی کارفرما ہو
اندھیرا وہاں سے فرار ہو جاتا ہے

اے باہو جس نے ہو کا عرفان حاصل کر لیا
دونوں جہاں اس کے غلام ہیں۔

(۴)

ایمان کی سلامتی کا ہر شخص طالب ہے
لیکن عشق کی سلامتی کے طالب صرف خاصان حق ہیں۔

عام اور خام لوگ ایمان مانگتے ہیں اور عشق الٰہی سے شرماتے ہیں
اس صورت حال سے میرے دل میں غیرت فقر جاگ اٹھتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جس منزل اولی کو عشق الٰہی پہنچا دیتا ہے
ایمان کو اس کی خبر تک نہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے عشق کو سلامت رکھے
میں اپنے ایمان کا واسطہ دیتا ہوں۔

(۵)

اگر مرشد کے مل جانے پر بھی دل کا درد نہ جائے
تو اسے پیر کیا بنانا۔

اگر مرشد مل جانے پر دل کو رشد و ہدایت حاصل نہ ہو
تو ایسا مرشد لاحاصل ہے۔

جس ہادی سے ہدایت کا فیض نہ ملے
اسے ہادی کیا بنانا۔

اے باہو، اگر سر قربان کرنے سے معرفت حاصل ہو
تو ایسی موت سے کیا ڈرنا!

(٦)

طالبانِ ناقص، علم ظاہری پڑھ کر
مشائخ کہلاتے ہیں اور طویل عبادت کرتے ہیں۔

ان کے دل کی دولت لٹ رہی ہوتی ہے
اور ان کو احساس زیاں تک نہیں ہوتا

صرف طالبان حق ہی شاد و مطمئن ہوتے ہیں
تو دل سے غفلت کا جالا اتار دے

اے باہو! اللہ تعالیٰ صرف انہیں ملتا ہے
جنہوں نے اطاعت میں کوتاہی نہ کی ہو

(۴)

پانچ محل ہیں اور پانچوں روشن ہیں
میں عقیدت و محبت کا دیا کس میں روشن کروں

پانچوں ہی نمردار اور پٹواری ہیں
میں مالیہ کس کو پیش کروں

پانچ امام اور پانچ قبلے ہیں
میں کس سمت سجدہ کروں

اے باہو! اگر حق تعالیٰ سر کی قربانی کا طلبگار ہو
تو اس میں ہرگز دیر نہیں کرنی چاہیے

(۵)

اے فقیر تمہارا جسم سچے اللہ تعالیٰ کا حجرا ہے
اپنے اندر جھانک کر حقیقت کو پالے

تو زندہ جاوید ہونے کے لئے خواجہ خضرؑ کا احسان مند نہ ہو
خود تیرے اندر چشمہ آب حیات ہے

اپنے تاریک دل میں شوق کا دیا روشن کر
شاید اس کی روشنی میں تجھے اپنا گمشدہ روحانی اثاثہ مل جائے

اے باہو! جس نے حق تعالیٰ کی رمز شہود و وجود کو پالیا
اس کا نفس مرگ جسمانی سے پہلے ہی مر گیا
اور یوں اسے حیات جاوداں مل گئی

(۹)

حقیقی فقر کا مرتبہ جلدی حاصل ہو جاتا ہے
جب اللہ کے عشق میں جان قربان ہو جائے

اے عاشق الٰہی اپنا دل نفس اور جان
محبوب حقیقی پر قربان کر دے

اے درویش، خود نفسی اور ہستی موہوم کے جھگڑے چھوڑ
اور یہ لا حاصل بوجھ اپنے سر سے اتار دے

اے باہو! وصل حق مرگ نفس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا
چاہے انسان کتنے ہی سوانگ بدلے

(۱۰)

دل جو چاہتا ہے وہ نہیں ہو رہا
آرزوئے دل کی تکمیل دور ہوتی گئی
محبوب حقیقی درد دل کی دوا عطا نہیں کر رہا
اور عشق اپنا رخ نہیں موڑ رہا۔

اس میدان محبت میں سوز آرزو
اور شوق دیدار کی آتش سے بلا کی تپش ہے

اے باہو! میں ان سالکان راہ محبت کے قربان جاؤں
جنہوں نے تمام صعوبتوں کے باوجود
عشق میں قدم آگے ہی بڑھایا

(۱۱)

جس دل نے متاع عشق حقیقی نہ خریدی
اس دل کا مقدر بد بختی ہے

استاد ازل نے مجھے عشق کا سبق پڑھایا
اور میرے ہاتھ میں لوح دل تھما دی

سبق یہ تھا کہ عشق میں سر پر کتنی ہی سختیاں پڑیں
اور جان پر بن جائے تو بھی اف نہ کرنا

اے باہو! ہر وقت توحید کا سبق پڑھ
تاکہ ذات حقیقی کا وصل حاصل ہو

(۱۲)

جس بازار میں رتی بھر عشق بھی بک رہا ہو
وہاں ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی

علم کتابی اور ورد و وظائف سب کچھ
عشق کی دولت پر نچھاور کر دینا چاہیے

مرشد کی رہنمائی اور نظر عنایت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا
چاہے تمام راتیں عبادت میں گزار دی جائیں۔

اے باہو! موت سے پہلے ہی نفسانی خواہشات کو مار دینا چاہیے
تب ہی معرفت اللہ تعالٰی حاصل ہوتی ہے

(۱۳)

عشق جنگل میں بھی حملہ آور ہوتا ہے
اور گھر میں بھی عقاب کی طرح جھپٹتا ہے

عشق جیسا کوئی صراف نہیں
جو دل کے سونے کی تمام ملاوٹیں ختم کر دیتا ہے

مالک حقیقی کے عاشقوں کو نیند اور بھوک نہیں ستاتی
اور عاشق حقیقی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں

اے باہو! زندہ جاوید جبھی ہوتے ہیں
جب مالک حقیقی کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں

(۱۴)

جن عارفان کامل نے محبوب حقیقی کو اسم اللہ کے الف میں پالیا
انہیں قرآن پاک کھول کر لفظی طور پر پڑھنے کی حاجت نہیں رہتی

وہ اللہ سے محبت کا دعوی کرتے ہیں
ان کے لئے تمام حجابات اٹھ جاتے ہیں

اللہ تعالٰی نے بہشت اور دوزخ کو
ان کی غلامی کا حکم دیا ہے

اے باہو! میں ان کے قربان جاؤں
جو دریائے وحدت میں غوطہ زن ہیں

(۱۵)

اے چاند، طلوع ہو کر ضیا بار ہو
ستارے تمہارا بہت ذکر کر رہے ہیں

لیکن تم جیسے کئی چاند بھی طلوع ہوں
تو میری دنیا تاریک ہی رہے گی
چونکہ محبوب حقیقی کے دیدار کے بغیر
ہمارے لئے کوئی روشنی نہیں

جس دنیا میں میرا چاند طلوع ہوتا ہے
وہاں تمہیں کوئی نہیں پوچھتا

اے باہو! ہم نے جس کی خاطر زندگی قربان کر دی
وہ محبوب حقیقی ہمیں ایک بار ضرور ملے گا

(۱۶)

وحدت کے دریا تو موج زن ہیں
بس تیرے دل نے ہی فیض نہ پایا

وہ بھی ہیں جو بت خانے میں رہ کر بھی واصل ذات حق ہو گئے
اور ایسے بھی ہیں جو مسجد و مکتب میں علوم ظاہری میں مگن
وصل حق سے محروم رہے

جب عشق ذات حق زندگی کی بازی جیت لے
تو عالم و فاضل علم ظاہری کی فضیلت ترک کر دیتے ہیں

اے باہو! جو عشق حقیقی میں سب کچھ لٹا نہیں دیتے
انہیں وصال حق نصیب نہیں ہوتا

(۱۷)

عشق کے موذن نے اذان دی
تو ہمارے کان میں بلاوے کی آواز پڑی

اذان کی پکار سنتے ہی ہم نے
خون جگر سے صاف وضو کیا

فنا فی اللہ کی تکبیر سن کر
نماز عشق سے روگردانی ہمارے لئے محال ہو گئی

اے باہو! تکبیر فنا پڑھ کر ہم بھی اللہ سے واصل ہو گئے
جس پر ہم نے اس ذات پاک کا شکر ادا کیا

(۱۸)

میرا دل اللہ تعالیٰ کی قیام گاہ ہے
اس کے دیدار سے دل پھولوں کی طرح کھل اٹھا اور باغ پر بہار آگئی

دل کے اندر ہی نماز عشق ادا کرنے کے سب سامان
از قسم کوزے اور مصلے اور سجدہ گاہیں ہیں

میرے باطن میں ہی کعبہ اور قبلہ ہے
اور دل میں اللہ اللہ کی صدائیں ہیں

اے باہو! اللہ کا شکر کہ مجھے مرشد کامل مل گیا
وہ خود ہی ہماری رہنمائی اور خبر گیری کرے گا۔

(۱۹)

میں کلمہ طیبہ کے پاک پانی میں نہا دھو کر پاک ہوئی ہوں
اور کلمہ سے ہی میرا عقد یعنی عمر بھر کا ساتھ ہوا ہے

کلمہ طیبہ نے ہی میری نماز جنازہ پڑھی
اور انوار کلمہ سے ہی میری قبر منور ہوئی

کلمہ طیبہ پاک و صاف کر دیتا ہے
یہی میرا گواہ صفائی ہے
اسی کے بل بوتے پر بہشت میں جانا ہے۔

اے باہو! جنہیں مالک حقیقی خود بلائے
انہیں راہ حق سے مڑنا محال ہے

(۲۰)

مرشد کامل ایسا ہونا چاہئے جو کدورت نفس کو
دھوبی کی طرح خوب پٹخ پٹخ کر صاف کر دے

کامل مرشد محض نگاہ سے باطن کی تمام کدورتوں کو دھو ڈالتا ہے
دھوبی کی طرح وہ کھار یا صابن کا محتاج نہیں

وہ آلودہ نفوس کو ایسا پاک کر دیتا ہے
کہ ذرہ برابر میل باقی نہیں رہتا

اے باہو! مرشد کامل تو ایسا ہونا چاہئے
جو اپنے مرید کے روئیں روئیں میں بستا ہو

(۲۱)

جب خالق کون و مکاں نے روز ازل کن فیکون فرمایا
تو ہم بھی وہاں قریب ہی تھے

اللہ تعالیٰ کی ذات مع صفات ربی ایک ہے
اور تمام دنیا اسی ذات واحد کی تلاش میں ہے

ایک ہی لامکان ہمارا مکان تھا
اور دنیا میں آکر ہم جلووں کی کثرت میں کھو گئے

اے باہو! پلید نفس امارہ نے ہمیں پلید کر دیا
ورنہ اپنی اصل میں تو ہم پلید نہیں تھے

(۲۲)

یہ فقیری نہیں کہ راتوں کو ھو حق کے نعرے لگا کر
سوئے ہوئے لوگوں کی نیند خراب کی جائے

فقیری یہ بھی نہیں کہ بہتی ندی سے
لوگوں کو تر ہوئے بغیر پار اتار دیا جائے

یہ بھی فقیری نہیں کہ ہوا میں مصلے کو معلق کر دیا جائے
یہ سب تو کرشمہ بازی ہے

فقیر کا لقب تو اے باہو! ان کو زیب دیتا ہے
جو اپنے دل میں محبوب حقیقی کو بسا لیں

(۲۳)

زبان سے تو کلمہ طیبہ کا ورد ہر مسلمان کرتا ہے
لیکن دل سے کلمہ بہت کم لوگ پڑھتے ہیں

جہاں دل سے کلمہ کا ورد ہو
وہاں زبانی کلمہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی

دل کا کلمہ صرف عاشق پڑھتے ہیں
اس مقام کو زبانی کلمہ پڑھنے والے کیا جانیں

اے باہو! دل سے کلمہ ہمیں ہمارے پیر کامل نے پڑھایا
اب میں دائما" نیک بخت ہوں

(۲۴)

عشق کی باتیں عجب ہیں
یہ ظاہرداری کی شریعت سے دور ہٹا دیتا ہے

جب عشق کا وار چل جاتا ہے
تو قاضی صاحبان بھی عہدۂ قضا چھوڑ جاتے ہیں

نامحرم اہل خرد بہت سمجھاتے بجھاتے ہیں
لیکن عاشقوں کو پند و نصیحت پسند نہیں

اے باہو! جنہیں مالک حقیقی خود اپنی طرف بلائے
ان کے لئے راہ معرفت سے پھر جانا محال ہے

(۲۵)

عشق ہمیں کمزور سمجھ کر
ہمارے دل میں ڈیرہ جما کر بیٹھ گیا

اس نے بہت الٹا کام کیا
ہمارے جگر میں نقب لگا کر داخل ہو گیا

جب میں نے اپنی جان کے اندر داخل ہو کر جھانکا
تو وہاں وحدہ لاشریک محبوب کو اکیلا پایا

اے باہو! مرشد کامل کو ملے بغیر
دل کی تسلی نہیں ہوتی

(۲۶)

عشق ہمیں آسمانوں کی بلندیوں کی جانب لے گیا
اور فرش سے عرش کا نظارہ کرایا

بس بس اے دنیا ہمیں فریب مت دے
ہمارا پہلے ہی یہاں دل گھبرا رہا ہے

اس دنیا میں ہم غریب الوطن ہیں
ہمارا وطن دور ہے، تو یونہی ہمیں لالچ کا فریب دے رہی ہے

اے باہو! جو موت سے پہلے ہی فنافی اللہ ہو گئے
فقط انہوں نے ہی خالق حقیقی کو پایا ہے

(۲۷)

عشق جن کے رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے
وہ خاموش رہتے ہیں
اور اپنے مقام بلند کی باتیں کرتے ہیں

ان کے ہر مسام میں لاکھ زبانیں ہیں
لیکن وہ چپ اور خاموش رہتے ہیں

ان کو ایسے مراتب حاصل ہیں
کہ وہ اسم اعظم سے وضو کرتے ہیں
اور دریائے وحدت میں غسل فرماتے ہیں

اے باہو! نمازیں تو جب ہی قبول ہوتی ہیں
جب نمازی معبود حقیقی کا عرفان حاصل کرلے

(۲۸)

جہاں وحدت حق تعالیٰ کا راز ہے
عقل و فکر کی کوئی گنجائش نہیں

سر وحدت سبحانی وہ مقام ہے
جہاں ملا، پنڈت، جوتش کی گنجائش ہے
اور نہ ہی وہاں تفسیر مسائل قرآنی کی ضرورت ہے۔

جب احمد، احد دکھائی دیا
تو سالک کے تمام حواس جواب دے گئے

اے باہو! عارفان ذات نے وہ تمام علم بھی حاصل کرلیا
جو ماورائے کتب آسمانی ہے

(۲۹)

عاشق ذات حق کا مقام
غوث اور قطب کے بلند درجات سے بھی آگے ہے

جس منزل بلند تک عاشقوں کی رسائی ہے
وہاں غوث نہیں پہنچ پاتے

عاشقان ذات نے تو لامکان پر ڈیرے جمائے ہوئے ہیں
وہ ذات حق سے مدام حالت حضوری میں ہیں

اے باہو! میں ان عاشقان ذات حق کے قربان جاؤں
جو ذات حق سے واصل ہو چکے ہیں

(۳۰)

راہ سلوک میں ضروری ہے
کہ سگ نفس کو فنا کرنے کیلئے
اس کا قیمہ قیمہ کر دیا جائے۔

وفور عشق و محبت سے اللہ تعالیٰ کا دائمی ذکر
ہر سانس کے ساتھ جاری رہے

ذکر اسم ذات یعنی اللہ سے دیدار اللہ تعالیٰ حاصل ہوتا ہے
اور معرفت ذات حاصل ہوتی ہے۔

اے باہو! ان عاشقان ذات الٰہی کے دونوں جہان غلام ہوتے ہیں
جنہوں نے ذات الٰہی کو پالیا۔

(۳۱)

عابدان ظاہر حصول معرفت کے لئے
نفلی نمازیں پڑھ پڑھ اور روزے رکھ رکھ اور سجدے کر کر نڈھال ہو گئے۔

انہوں نے سو دفعہ مکہ مکرمہ جا کر حج کیا
لیکن ان کے دل کی ڈور مکے میں نہیں اٹکی۔

انہوں نے چلے کاٹے، جنگلوں میں عبادت و ریاضت کی
لیکن ان سے انہیں راہ معرفت میں پختگی حاصل نہیں ہوئی۔

اے باہو! راہ معرفت کی تمام منزلیں اس وقت طے ہو جاتی ہیں
اور گوہر مقصود حاصل ہو جاتا ہے
جب مرشد کامل ایک نگاہ لطف ڈالے

(۳۲)

جو سالکان راہ طریقت ذات حق سے واصل ہو گئے
وہ حمد و ثنا کے رسمی تکلفات میں نہیں پڑتے۔

راہ معرفت کا علم اور اس پر چلنے کا عمل ان کا خاصہ ہے
جن کی فطرت واصل حق ہے
اور جنہیں فنائے نفس سے اثبات ذات حاصل ہو گیا ہے۔

انہوں نے رضائے الٰہی کی چھری سے
عشق ذات میں اپنے نفس کو قربان کر دیا

اے باھو! اگر تو اپنے اندر جھانک کر دیکھے

تو تجھے دل کی پہنائیوں میں
چودہ طبق روشن نظر آئیں گے۔

(۳۳)

میرے محبوب حقیقی نے میرے دل میں
اپنے عشق کی آگ بھڑکا دی ہے
اس شعلہ زن آگ کو کون بجھا سکتا ہے

میں عشق کی ذات کو کیا جانوں کہ وہ کیا ہے؟
اس نے مجھے ہر ہر دروازے پر جھکا دیا۔

عشق بھی عجیب شے ہے
نہ خود سوتا ہے نہ سونے دیتا ہے
بلکہ سوئے ہوؤں کو بھی اپنی شوریدگی سے جگا دیتا ہے۔

اے باہو! میں اس مرشد کامل کے قربان جاؤں
جو بچھڑے ہوئے محبوب ملا دیتا ہے۔

(۳۴)

عشق ہمیں کمزور جان کر اور در دل کے ذریعے
ہمارے باطن میں داخل ہو گیا

ضدی بچے کی طرح مچل رہا ہے
نہ خود سوتا ہے نہ ہمیں سونے دیتا ہے

مجھ سے بے موسم کے پھل یعنی سردیوں میں خربوزے مانگتا ہے
میں اس کی فرمائش کیسے پوری کروں
(یعنی قبل از وقت دیدار یار کا طالب ہے)۔

اے باہو! جب عشق نے تالی بجائی
تو عقل و خرد کی تمام باتیں بھول گئیں
اور رقص وارفتگی کا آغاز ہوا

(۳۵)

عارفان اسم ذات خود کو ذات حق میں
فنا کر کے ذات کا ورد کماتے ہیں

عارفان ذات حق ایسے مقام پر ہیں
جہاں نہ کوئی مقام ہے نہ منزل
نہ موت ہے نہ حیات

اگر تو اپنے باطن میں جھانک سکے
تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنی شاہ رگ سے قریب ملے گا۔

اے باہو! فنافی الذات ہو کر معلوم ہوا
کہ وہ ہم میں ہے
اور ہم اس میں ہیں
قرب و دور کے تمام تصورات مٹ گئے۔

(۳۶)

میں کلمے میں نہائی دھوئی یعنی اس میں پاک ہو گئی
اور کلمے سے ہی میری شادی ہوئی ہے

کلمے نے ہی میرا جنازہ پڑھا
اور انوار کلمہ طیبہ نے ہی میری قبر آراستہ کی

کلمہ طیبہ ہی قلب و دل کی صفائی کا ضامن ہے
اور اسی کی ہمراہی میں مجھے بہشت جانا ہے
اے باہو! جن خوش قسمت حضرات کو صاحب لولاک خود اپنی جانب بلائے
ان کے لئے واپس جانا دشوار ہے۔

(۳۷)

کلمہ طیبہ کے ورد سے سینکڑوں راہروان معرفت کو کامیاب کیا
اور لاکھوں سالکان راہ طریقت کو منزل پر پہنچا دیا۔

دوزخ جہاں ہر دم بے پناہ آگ بھڑکتی ہے
اس آتش فروزاں کو کلمہ نے بجھادیا۔

کلمہ طیبہ ہی ہمارے بہشت میں جانے کا ضامن ہے
جہاں صبح و شام اللہ کی نعمتیں میسر ہیں۔

اے باہو! دونوں جہانوں میں
کلمہ جیسی اور کوئی نعمت نہیں۔

(۳۸)

عشق کا سمندر فلک موج ہے
اب جہاز کہاں لنگر انداز ہو

دریائے عشق کے تیراک کو سب سے پہلے
عقل و فکر کی کشتی کو ڈبو دینا چاہئے۔

دریائے وحدت میں داخل ہوتے ہی بادبان بھڑکتے ہیں
بلند لہریں اٹھتی ہیں اور خطرناک بھنور پڑتے ہیں۔

اے باہو! جس مرنے سے خلقت ڈرتی ہے
یہی ظاہر موت عاشقان حق کے لئے ابدی حیات ہے۔

(۳۹)

دل ایسا دریا ہے جو سمندر سے بھی گہرا ہے
دل کی کیفیت کی کسے خبر ہو۔

اسی میں بیڑے تیر رہے ہیں
طوفان ہیں، بھنور ہیں، ملاح ہیں اور بادبان ہیں۔

دل میں چودہ طبق (یعنی پوری کائنات ہے) ہیں
جہاں عشق نے اپنے خیمے گاڑ رکھے ہیں۔

اے باہو! جو دل کے رازوں کا محرم ہو
وہی اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔

(۴۰)

دریائے دل تو سمندروں سے بھی گہرا ہے
اے عرفان ذات کے متلاشی، اس بحر میں غوطہ لگا۔

جس نے اس دریا سے پانی نہ پیا
اس کی جان کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔

جنہیں قرب الٰہی کی آس ہے
وہ ہر دم ذکر و فکر میں محو رہتے ہیں۔

جو روحانی رہنما جبہ و دستار سے خلق خدا کو فریب دیتا ہے
اس سے تو بنی ٹھنی فاحشہ بہتر ہے۔

(۴۱)

میں نہ تو جوگی ہوں نہ راہب
اور نہ ہی میں نے چلے کمائے ہیں۔

میں نہ ظاہری عبادت گزاروں کی طرح
دوڑ دوڑ کر مسجدوں میں داخل ہوا نہ نمائشی طور پر تسبیح کی۔

میرے مرشد نے مجھے سبق دیا ہے
کہ جو دم اللہ کی یاد سے غفلت میں گزرے وہ کفر کے مترادف ہے۔

اے باہو! میرے مرشد نے کمال کیا
کہ ایک نظر میں مجھے منزل مقصود پر پہنچا دیا۔

(۴۲)

طالبان دنیا ان کتوں کی مانند ہیں
جو ہڈی کی تلاش میں دربدر حیران و پریشان پھر رہے ہیں۔

ہڈی پر جبر سے قبضہ کرنے کے لئے
لڑنے بھڑنے میں ان کی عمر بیت جاتی ہے۔

اتنے کم عقل ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے
وہ پانی کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔

اے باہو! پاک اللہ کے ذکر کے بغیر
ساری جدوجہد حصول دنیا جھوٹی اور بے قیل و قال ہے۔

(۴۳)

درد دل کی اور کوئی مجرب دعا نہیں
صرف کلمہ ہی اس کی شافی دوا ہے۔

کلمہ طیبہ دل سے کفر و شرک کا زنگار اتار کر
دل کی تمام آلائشیں دور کر دیتا ہے۔

کلمہ نے اپنی دکان سجائی ہے
اور یہاں معرفت کے ہیرے، لعل اور جواہر میسر ہیں۔

اے باہو! کیا دنیا کیا عاقبت
کلمہ کی دونوں جہاں میں دولت تمام ہے۔

(۴۴)

روزے، نفل، نمازیں، پرہیز گاری، ظاہرداری کے لئے ہو
تو ان سے سوائے حیرانی کچھ حاصل نہیں ہوتا
ایقان و ایمان ان کا حاصل نہیں۔

ان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی
بلکہ انانیت اور خودستائی ملتی ہے۔

جو ذات قدیم تمہارے ساتھ نباہ رہی ہے
کیا وہ تمہارا حقیقی دوست نہیں؟

جب طالب حق اپنی ہستی کو ذات حقیقی فنا کر دیتا ہے
تو پھر اسے ظاہری ورد وظیفوں کی حاجت نہیں رہتی۔

(۴۵)

عارفان ذات اپنی انا کو فنا کر کے ہو کا لباس پہن کر
اسم ذات کا ورد کرتے ہیں۔

وہ اس مقام پر ہیں جہاں
کفر و اسلام کی منزل ہے نہ موت اور زندگی کی۔

اے طالب حق، اپنے باطن میں جھانک
اللہ تعالیٰ تجھے اپنی شہہ رگ سے قریب ملے گا۔

اے باہو! اللہ ہم میں ہے اور ہم اس میں
یہ دور و نزدیک کی بحث فضول ہے۔

(۴۶)

اے سالک راہ حق! ذکر الٰہی کے واسطے سے
اسرار ذات حق کے بارے میں سوچ
یہ لفظ تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

عاشقان الٰہی اسرار ذات کے بارے میں سوچتے ہیں
آہیں بھرتے ہیں اور جان جلاتے ہیں۔

اسرار ذات حق کے بارے میں سوچنے والے اسی میں فنا ہو جاتے ہیں
یہ تو ماسوائے اللہ کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

اے باہو! کلمہ حق کہتے رہنا
اللہ تعالیٰ تجھے فکر اسرار ذات کی مار سے بچائے۔

(۴۷)

یہ وحدت الٰہی کا دریا ہے
جہاں عاشقان حق تیر رہے ہیں۔

وہ اپنی اپنی بساط اور باری کے مطابق
وحدت کے سمندر سے در بے بہا نکال رہے ہیں۔

انہی موتیوں میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا نادر بے مثل موتی ہے
جس کی تجلی آسمان معرفت میں نور افگن ہے۔

اے باہو! تمام سالکان راہ طریقت تو بارگاہ نبوت کے ادنیٰ کارندے ہیں
سو وہ عقیدت و محبت کا محصول کیوں ادا نہیں کرتے۔

(۴۸)

زندگی کی تاریک اور سیہ رات میں عشق
چراغ معرفت جلا کر اسے منور کرتا ہے

اس کی گرمی دلوں کو گرماتی ہے
لیکن یہ صوت و صدا سے معرا ہے۔

راہ عشق میں خوفناک جنگل اور ویرانے ہیں
اور یہاں ہر قدم پر خونخوار شیروں کا ڈر اور خوف ہے۔

اے باہو! جن کا عشق کامل ہے
وہ بلاخوف و خطر ان صحراؤں، جنگلوں اور ریگزاروں کو عبور کر جاتے ہیں۔

(۴۹)

اللہ تعالیٰ لامکان ہے
نہ وہ عرش معلیٰ پر مقیم ہے اور نہ خانہ کعبہ میں

نہ وہ کتابوں کے علم کے ذریعے ملتا ہے
اور نہ مسجدوں کے محرابوں میں بیٹھا ہے

طالبان حق نے بہت طویل سفر طے کیے
اور گنگا تیرتھ پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ وہاں بھی نہ ملا۔

اے باہو! دیدار حق تو مرشد کی نظر عنایت سے ہوتا ہے
جب سے ہم نے مرشد کامل کا دامن پکڑا
ہم تلاش و جستجو کے سب عذابوں سے بچ نکلے۔

(۵۰)

نہ کوئی طالب ہے نہ کوئی مرشد ہے
یہ سب دم دلاسوں کے فریب ہیں۔

فقر کا راستہ بہت دور ہے
یہ ظاہر دار تو قتیل حرص دنیا ہیں۔

دیدار حق کا شوق حد سے بڑھا
اور زندگی عشق الٰہی میں فنا ہونے پر آمادہ ہو گئی۔

اے باہو! جن سالکان طریقت کے جسم و جان میں
عشق کی آگ بھڑک اٹھے وہ آسائشوں سے بے نیاز
معرفت عشق ذات میں بھوکے پیاسے جان دے دیتے ہیں۔

(۵۱)

مجھے نہ عالم فاضل ہونے کا دعوی ہے
اور نہ ہی میں مفتی یا قاضی ہوں

نہ میرے دل میں شوق کی طلب ہے
نہ میرا شوق حصول جنت پر راضی ہے

نہ میں پابندی سے تیس روزے رکھتا ہوں
اور نہ میں پاک نمازی ہوں
کہ یہ سب ظاہرداری کے عمل ہیں۔

اے باہو! اللہ کے وصال کے بغیر
یہ تمام دنیا جھوٹی بازی ہے

(۵۲)

میں اپنے اعمال کے لحاظ سے بدصورت ہوں
اور میرا محبوب حسن کا مجسمہ ہے
میں اسے کیسے پسند آؤں۔

میں لاکھوں جتن کرتی ہوں
لیکن محبوب حقیقی میرے دل کے آنگن میں نہیں آتا

نہ میرے پاس اعمال حسنہ کی دولت ہے
اور نہ یقین کامل کا سرمایہ

اے باہو! مجھے یہ دکھ ہمیشہ رہے گا
کہ میں محبوب حقیقی کو راضی نہ کر سکی
اور اس غم جانکاہ میں روتی تڑپتی مرجاؤں گی۔

(۵۳)

آتش عشق اپنی ہی ہڈیوں کے ایندھن سے جلتی ہے
اور عاشق مزے سے اسے تاپتے ہیں۔

اپنی جان اور جگر میں عشق کا آرہ ڈال کر
انہیں پھر کاٹتے ہیں اور آتش عشق میں ان کے کباب تلتے ہیں۔

یہ تلاش حق میں چار سو سرگرداں رہتے ہیں
اور اپنے جگر کا خون پیتے ہیں۔

اے باہو! یوں تو ہزاروں کو عشق کا دعوی ہے
لیکن عشق حقیقی خاص طالبان حق کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

(۵۴)

عشق اور طریقت کی باتیں عجیب ہیں
یہ ظاہری آداب شرع سے دور ہٹاتا ہے۔

جب عشق کی ضرب پڑتی ہے
تو قاضی صاحباں ہی اپنے مراتب قضاۃ ترک کر دیتے ہیں۔

نامحرم لوگ عاشقوں کو سمجھاتے ہیں کہ دیوانگی عشق چھوڑو
لیکن عاشقوں کو ایسی نصیحتیں نہیں بھاتیں۔

اے باہو! جنہیں اللہ تعالی خود بلائے
وہ راہ طریقت سے کیسے پھر سکتے ہیں۔

(۵۵)

ہمارے مرشد نے ہمیں یہی سبق دیا ہے
کہ جو دم ذکر الٰہی سے غافل ہے وہ دم کافر ہے۔

جب ہم نے یہ بات سنی تو ہماری باطن کی آنکھیں کھل گئیں
اور ہم نے مالک حقیقی سے دل پوری طرح لگالیا۔

ہم عشق کے اس مرتبے پر پہنچے کہ ہم نے جیتے جی
اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر دی۔

اے باہو! منزل مراد کو وہ پہنچتے ہیں، جو ظاہری موت سے پہلے ہی
اپنی کامل زندگی حکم الٰہی کے تابع کر دیتے ہیں۔

(۵۶)

عاشقان حق کا ایک ہی وضو
روز قیامت تک قائم رہتا ہے

وہ دن رات حالت رکوع و سجود میں رہتے ہیں
یعنی دائم الصلوۃ ہو جاتے ہیں

فقیر کے لئے دنیا و عقبیٰ میں کوئی تفریق نہیں ہوتی
دنیا و عقبیٰ دونوں ہی اس کے ٹھکانے ہیں

عاشقان ذات کی منزل تو عرش سے بھی آگے ہے۔
ان کا واسطہ عرش معلیٰ سے ہے۔

(۵۷)

جہاں وحدت سرِذات کا مقام ہے
وہاں عقل و فکر کی کوئی گنجائش نہیں

اس مقام پر، نہ ملا، پنڈت اور جوتشی کی گنجائش ہے
نہ علم قرآنی کی تفسیر کی گنجائش ہے۔

راہ سلوک میں جب نور احمدؐ نور ذات حق دکھائی دیتا ہے
تو سب دنیا فانی نظر آتی ہے۔

اے باہو! ہم عارفان ذات نے
تمام علوم روحانی حاصل کر لئے ہیں
اب ہمیں آسمانی کتابوں کی ظاہری ہدایت کی حاجت نہیں۔

رحمان بابا

(۱۶۵۳ء - ۱۷۰۹ء)

مترجم

خاطر غزنوی

رحمان بابا

(۱۶۵۳ء۔ ۱۷۰۹ء)

راشد متین

رحمان بابا جن کا اصل نام عبدالرحمن تھا۔ بلاخوف تردید پشتو زبان کے سب سے بڑے صوفی شاعر تھے۔ مورخین کے مطابق ان کی ولادت بہادر کلی کے مقام پر ۱۶۵۳ء میں ہوئی۔ انہوں نے ابتدائی اور دینی تعلیم ملا یوسف زئی سے حاصل کی وہ صوفیاء کے چشتیہ مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس مسلک کے ابتدائی صوفیاء ہی سے روحانی فیض حاصل کیا محققین کا کہنا یہ بھی ہے۔ کہ وہ فارسی کے ایک بڑے صوفی شاعر صنائی سے متاثر تھے چونکہ ان کی شاعری اور صنائی کی شاعری میں بعض اوقات بے پناہ مماثلت محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شاعری کے مطالعے کے بعد یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ فارسی کی کلاسیکی شعری روایات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ان کی شاعری ایران کی مرکزی صوفیانہ اقدار میں شمار کی جا سکتی ہے۔ جبکہ خوشحال کی شاعری کے موضوعات کئی ایک ہیں۔ رحمان بابا کی شاعری میں مرکزیت زمین پر بسنے والی مخلوق کے مسائل ہیں اور بنی نوع انسان کے ساتھ ایک جداگانہ محبت ایک لامتناہی تعلق کے طور پر زیادہ تر ان کی شاعری کا موضوع بنتی ہے۔

ان کے شعروں میں اردو اور فارسی، غزل کی روایات بھی نظر آتی ہیں۔ جنہیں دنیاوی عشق کی وساطت سے عشق حقیقی پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ ان کی یہ شعری خصوصیت تخلیقی محاسن کے ساتھ ساتھ وسعت اور پذیرائی کا موجب بنتی ہے۔ روز مرہ کے مسائل فطرت کی رنگینیاں اور حسی تجربوں کے بیان کی بدولت رحمان بابا کی شاعری میدان شعروادب میں صوفیانہ فکر کے حوالے سے بے پناہ شہرت کی حامل ہے۔

رحمان بابا نے بعض مورخین کے مطابق ۱۷۱۱ء میں وفات پائی۔

(۱)

حمد ذرا تیرا

دیکھ کیا عظیم ہے میرا پروردگا
وہ دنیا کی ہر چیز کا مالک و مختار ہے
ہر وہ شخص جسے بزرگ قرار دیا جا سکتا ہے
میرا رب ان تمام بزرگوں سے بلند ترین اور بزرگ ترین ہے
میرا رب کسی کا حاجت مند نہیں
اور نہ ہی کسی کا منت کش احسان ہے
اس نے نیست سے ہست کی صورت پیدا کی
میرا رب پھر اس عظیم انداز کا پروردگار بنا
وہ دنیا کی جملہ اشیا کا صنعت گر ہے
میرا رب ہی ہے جو ہر گفتار کا سننے والا بھی ہے
جن کا نہ کہیں بدل ہے نہ مثیل
کچھ ایسی ہی عطریات کا وہ عطار ہے۔
اس جہان اور عقبیٰ میں جو چیز بھی تعمیر ہوئی ہے
میرا خدا ہر ایسی تعمیر کا معمار ہے
وہ تو ان صحیفوں کا پڑھنے والا بھی ہے جو ابھی نہیں لکھے گئے
وہ دنیا کے ہر راز کا محرم ہے
ظاہر ہو کہ باطن
ان دونوں کے مابین ہر چیز سے میرا رب باخبر ہے
کوئی بھی چیز جو موجود ہے
یا ابھی پوشیدہ ہے یا درمیان میں ہے
وہ ہر اس چیز کا وقوف رکھتا ہے
اس کائنات کا وہ ایسا شہنشاہ ہے

جس کا کوئی شریک کار نہیں
میرا پروردگار لاشریک شہریار ہے
اس کی یکتائی کو تنہائی کا عجز کہنے کی کس کو جرات ہے
وہ تو اپنے واحد وجود میں کثرت کا حامل ہے۔
وہ جو کسی کی دوستی کے حاجت مند نہیں ہیں
میرا رب ان ہی لوگوں کا دوست ہے
میں کیوں اس کی تلاش میں دربدر مارا مارا پھروں
وہ تو میرے اپنے گھر میں مجھ سے ہمکنار ہے
رحمان! اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان نہیں
میرا پروردگار تو ہمیشہ سے برقرار ہے۔

(۲)

اگر کسی کو دنیا میں دوست کی تلاش ہو تو وہی اس کا دوست ہے
وہ دوست اس لئے ہے کہ اسی نے یہ دنیا سنواری ہے۔
اس کی زلفوں کے خیال نے مجھے اپنے حلقے میں لے لیا
بالکل یوں جیسے خزانے پر کنڈلی مارے محافظ ناگ ہو
یہ دنیا اللہ کے اپنے عشق کی تخلیق ہے
وہ ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے
گویا اس کا رتبہ باپ کا سا ہے
اس دنیا میں عشق سے بلند تر کام اور کیا ہو سکتا ہے
یقیناً یہ جہاں بھر کے کاموں سے افضل ترین کام ہے۔
اگر جہان میں یہ بات پھیل جاتی کہ پھول پھول نہیں خار ہے
تو دنیا کا کوئی بلبل پھول کا نام تک لینا گوارا نہ کرتا
دنیا میں دوبارہ کوئی نہیں آئے گا
یہ جہاں بار دگر نہیں
بس یہی ہے پہلی بار بھی اور آخری بار بھی
بلبلے کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے؟
اگر کوئی شخص زندگی کی درازی کا شمار کرنا شروع کرے
تو بس اسے حباب ہی کو پیش نظر رکھنا ہو گا
کہ یہی اس کا شمار ہے
اے رحمن! مجنوں کی شکل و صورت کا اندازہ کرو
اے میرے محبوب تیرے عشق میں وہ اسی کی طرح زبوں حال ہے

(۳)

دنیا میں وہی شخص روشنیاں پھیلاتا ہے
جو دانا و بینا ہوتا ہے
عالم لوگ دنیا بھر کے پیشوا ہوتے ہیں

وہ لوگ جو اللہ اور رسول کے راستے کے متلاشی ہیں
ان کے لئے اس راہ کے راہنما علما ہی ہیں

وہ کیمیا گر جو کیمیا کی طلب میں بھٹکتے پھرتے ہیں
ان کے لئے عالموں کی ہمدمی ہی
کیمیا کا درجہ رکھتی ہے

جاہلوں کی مثال مردہ لوگوں کی طرح ہے
لیکن عالموں کو ہم مسیحا کا مثیل کہہ سکتے ہیں
جن کے نفس سے مردوں میں جان پڑ جاتی ہے
عالم اسی انداز کے اولیاء ہوتے ہیں۔

ہر وہ شخص جو علم سے بے بہرہ ہے، وہ انسان نہیں
اس کی حیثیت ایک بے روح نقش کی سی ہے

اے رحمن! میں ہر عالم کا حلقہ بگوش ہوں
چاہے وہ اعلیٰ ہے، درمیانہ یا ادنیٰ

(۴)

اگر تیرا دل محبوب کا طلبگار ہے
تو صیاد بن کر عنقا کا شکار کرنے پر
قدرت حاصل کر

سر پر حباب کا کلاہ پہن لے
اور ہوا کے گھوڑے کا شہسوار بن

خضر کی طرح اٹھ
اور آب بقا نوش کر

زمینوں سے قدم اٹھا
اور عیسیٰ کی طرح آسمانوں کا رخ کر

اس استاد کا شاگرد بن
جو تجھے کیمیا گری کا ماہر بنا دے

جو کچھ میں نے تجھ سے کہا
اگر حاصل کرے تو یہی ساری کائنات ہے

اے رحمن! تمہاری امید تب بر آئے گی
جب تجھے حسینوں کی وفا حاصل ہو گی

(۵)

تیری یاد تو ہے
جو ہمیشہ میرا سرمایہ حیات رہی ہے
یہ تو وہ ورد ہے
جو میں صبح شام کرتا ہوں
ہر وہ بات جو میں تیرے تصور
اور تیری یاد کے بغیر منہ سے نکالوں
میری اس بات سے سو مرتبہ توبہ

اگر میں تیری یاد کے بغیر دل کو ہزار تسلی دوں
تو وہ تسلی ہرگز ہرگز میرے لئے
آرام جاں نہ بن سکے گی۔

اگر تیرے عشق میں میری عزت و آبرو جاتی ہے
تو میں یہ بھی قربان کرنے کو تیار ہوں۔

جب سے تیرے عاشق ہونے کا اعزاز حاصل ہوا ہے
دنیا کے ہر مرتبہ و جاہ سے میرا دل بے نیاز ہو گیا ہے۔

جب تک میں اسے خمخانہ عشق میں نہ لے جاؤں
تب تک میری عقل خام ہی رہے گی

یہی موقعہ ہے میری آہ و زاری سن لو
اس سے پیشتر کہ میرا ہر اندام مٹی کی نذر ہو جائے

فلک نانہجار نے کتنے ہی جام و مینا توڑ ڈالے
میرا دور جام تا کے چل سکے گا۔

اے رحمن! کب تک لذت وصال سے محروم رہوں گا
بتاؤ کب اس لذت سے ناکامی تلخ کامی کا سبب رہے گی۔

(۶)

برے دن آجائیں تو ان کے سامنے
کوئی عاقل و دانا کیا کر سکتا ہے۔
قضا سر پر منڈلانے لگے
تو طبیب بھی بے دست و پا ہو جاتے ہیں

ماں باپ تو اللہ سے
نیک اولاد کی تمنا رکھتے ہیں
جب بد بخت اولاد ہی گمراہ ہو جائے
تو والدین بھی بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جب دوست کو دوست سے کوئی جابر ہاتھ جدا کر دے
تو بے بس محبت کرنے والوں کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا

دعاؤں اور بد دعاؤں سے کیا ہوتا ہے
جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے
اگر اللہ نہ چاہے تو دعائیں اور بد دعائیں
بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔

زور یا زر سے تقدیریں نہیں بنا کرتیں
اس معاملے میں کمزور اور توانا دونوں بے بس ہیں

اے رحمن! پروانے نے شمع کے شعلے کا گلہ کیا اور جل مرا
شمع کی لو کیا ہنسے گی اور کیا روئے گی۔

(۷)

میں محبوب کا ہر خط، ہر ورق الٹ پلٹ کر
اس میں اس کے خدوخال تلاش کر رہا ہوں

جب میں عشق میں اپنے دل کا تصور کرتا ہوں
تو مجھے تنور یا آہن گر کی بھٹی کی طرح دل جلتا نظر آتا ہے

ہنسی ہنسی میں وہ ہر آگ میں کود پڑنے کو تیار نظر آتا ہے
اے خدا کسی کو جذبہ عشق کا مجذوب نہ بنا

جب میں دل کو ماہ جبینوں کی آماجگاہ بناتا ہوں
تو پھر دل ان کے غم میں ڈوب ڈوب جاتا ہے

حضرت ایوب نے تمام مشکل مشقتیں برداشت کیں
عشق عاشق کے لئے ہر مشکل کو آسان بنا دیتا ہے

روتے روتے حضرت یعقوبؑ اس حد تک پہنچ گئے
کہ حضرت یوسفؑ کے فراق میں آنکھیں گنوا دیں

عشق کی کرامات یہ ہے کہ وہ عاشق کی خاطر
گل رخسار محبوباؤں کا سا رنگ روپ دھار لیتا ہے

اس کی کیا بات جو ہجر و وصال کی دھوپ چھاؤں میں
کبھی خود عاشق بن جاتا ہے کبھی معشوق بن جاتا ہے

جب نظر صورت و شکل سے آگے گزر کر گہرائیاں ناپنے لگتی ہے
تب اے ارحمٰن! زشت اور خوب میں کوئی فرق نہیں رہتا

(۸)

جب عشق کسی کے مزاج میں برہمی پیدا کر دے
تو پھر کسی حکیم کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں رہتا

وہ اپنے محبوب کی یاد میں ہر وقت روتا رہتا ہے
یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے بجائے خون ٹپکنے لگتا ہے

اس کے دونوں ہاتھ دونوں دنیاؤں کی جانب لپکتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ ظالم موجوں کے تھپیڑے سہتا رہتا ہے

وہ عاشق جن کے مزاج میں عشق کی بو سما جاتی ہے
تو وہ دنیا کے ہر رسم و رواج اور رکھ رکھاؤ کی بو سے قطعی بیگانہ ہو جاتے ہیں

ابراہیم ادھم کچھ ایسا نادان نہ تھا
کہ اس کی نظر تخت و تاج کی طرف ہوتی

مجنون لیلیٰ کا کوئی ایسا گیا گزرا عاشق نہ تھا
کہ وہ دنیا کی کسی اور چیز کی احتیاج رکھتا

عشق کی دیوانگی کا رنگ ہی اور ہے
اس کی سلطنت بربادی یا تاراجی کی حدود سے ماورا ہے
اگر منصور کی طرح دار پر بھی چڑھ جائے
تو رحمٰن کے لئے وہ دار معراج کا درجہ حاصل کر لے گی

(۹)

میری روح حسینوں کی تلاش و جستجو میں سرگردان
ہے
بالکل اسی طرح جسے صبابوئے گل کو ڈھونڈتی رہتی ہے

تیرے حسن کے سورج کے سامنے میری زندگی شبنم کی مانند ہے
لیکن پھر بھی صبحدم میری روح رونے کے بجائے خندہ زن ہوتی ہے

میں نے تیرا عکس جمال اپنے آپ میں دیکھا ہے
میری روح آئینہ بن کر تیرے، حسن کی ستائش
حیرانگی کی صورت بیان کر رہی ہے

اے میرے محبوب تیرے رخ روشن کے آئینے کے طفیل
سدا میری روح طوطی کی طرح شکر مقال رہتی ہے

جس طرح شیشے میں مے کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے
بالکل اسی طرح میرے ضعیف بدن میں
میری روح کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے

میں مدام گلشن وصال میں تیرا منتظر رہا
میری روح بھی سرتاپا شبنم کی طرح چشم انتظار بن چکی ہے

میری طلب نے تیرے حسن کی روشنی پالی ہے
اب سورج کی طرح میری روح
رات دن اسی راہ پر رواں ہے

تیری زلف و رخسار کے لئے “رحمٰن” غریب الوطن ہو گیا ہے
اب میری روح کبھی ہندوستان اور کبھی خراسان میں بھٹکتی پھرتی ہے

(۱۰)

بادشاہوں نے تو اپنے محلات تعمیر کیے
میں نے عشق کی عمارت کی بنیاد رکھی ہے
ذرا بتاؤ تو سہی مجنوں اور فرہاد کی طرح
آج تک کس بادشاہ کا نام زبان زد عام ہوا
عاشقوں کے لئے عشق کی حیثیت استاد کی سی ہے
ایسا پیر استاد دوسرا کون ہو سکتا ہے

یہ ساری عشق کی کرامات ہے
جس نے کسی کو قطب اور کسی کو غوث کا درجہ بخش دیا

دنیا کی ہر چیز فانی ہے
کوئی ان فانی چیزوں پر کیا اعتماد کرے

سایہ سورج کے آگے آگے چلتا ہے
اس کا نہ کوئی ٹھکانہ نہ ہی پڑاؤ، نہ گھر ہے

اس دنیا نے کسی سے وفا نہیں کی
چاہے وہ جمشید تھا، بہمن یا کیقباد

وہ جمشید تھا، بہمن یا کیقباد
نمرود تھا فرعون کہ شداد

کسی کو دنیا میں اس کے دل کی مراد نہ ملی
جو اس دنیا سے گیا نامراد اور مایوس ہی گیا

دنیا سے رخصتی کے بعد نہ کسی کے لئے فاتحہ ہوا نہ دعا کی گئی
چاہے پسماندگان میں اس کی آل عیال تھی کہ اولاد

اے رحمٰن! میں زمانے کے ظلم و ستم کا نشانہ
اپنے رب کے پاس داد رسی کی خاطر فریاد کناں جا رہا ہوں۔

(۱۱)

تو جو اس دنیا سے دل لگا کر مالک بن بیٹھا ہے
تو تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ جہاں تمہیں وراثت میں ملا ہے

ذرا غور تو کر تیرے آباو اجداد کہاں گئے؟
تم بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے جا رہے ہو۔

یہ جہان ایک پل ہے
آگے پیچھے سب نے اسے پار کرنا ہے
کوئی آج تک اس پل پر رک نہیں سکا

یہ بات نہیں کہ میں صرف تم سے مخاطب ہوں
تیری طرح یہاں صد ہزار انسان آئے اور چل بسے

ناحق تم کسی چیز پر قابض ہونے کے مجاز نہیں ہو
یہ تو پرایا ملک ہے، پرایا شہر اور دیار غیر
جو دیار غیر میں بس جاتا ہے
اس کا وہاں کسی چیز پر کوئی مالکانہ اختیار نہیں ہوتا
ایسے ہی اس دنیا کا حال ہے۔

کسی معاملے میں بھی وہ چاہے ہزار قسمیں کھائے
مسافروں کی زبان کا کوئی بھی اعتبار نہیں کیا کرتا

باغ کے پھولوں کا کیا اعتبار، کیا زندگی
صبح کھلے اور شام مرجھا گئے

کوئی بھی چاہے وہ تمہارا بھائی ہو، عزیز یا دوست
اسے کبھی نہ بھائی سمجھنا، نہ دوست اور نہ عزیز

ہر پیدا ہونے والی چیز کا انجام فنا ہے
اے رحمٰن! یہی اس دنیا کی ریت ہے

(۱۲)

اگر کوئی اپنے محبوب کی طلب میں زبوں حال نہیں ہو جاتا
تو اس کی دستار اس کی محبوبہ کی چادر پر قربان

حیف! افسوس! صد ہزار افسوس۔ یہ کیسا عاشق ہے؟
جو عاشقی میں گومگو کے عالم میں رہے
مشکل وقت اور راحت میں جس کی کیفیت بدلتی رہے

نہ تو اس میں اپنی شمع کا پروانہ بننے کی جرات ہوتی ہے
نہ ہی وہ اپنے گلشن کا بلبل بن سکتا ہے

نہ ہی اس میں مجنوں کی طرح رسوائی کا شکار ہونے کی ہمت
نہ ہی منصور کی طرح دار پر چڑھ جانے کا حوصلہ

اے رحمٰن! دو باتیں نہیں ہو سکتیں
دوغلے پن کے بجائے تمہیں یا تو صحیح عاشق بننا پڑے گا
یا اس کوچے کو تجنا پڑے گا۔

(۱۳)

زندگی کا گلزار ہمیشہ شگفتہ نہیں رہتا
نہ ہی بازار حیات کی رونقیں سدا برقرار رہتی ہیں

جس طرح اباسین کا پانی لہروں کے تھپیڑوں پر رواں دواں ہے
اسی طرح زندگی کی رفتار بھی تیز تر ہے

جس طرح برق ایک لحظہ جلوہ دکھا کر غائب ہو جاتی ہے
یوں ہی زندگی کی رفتار پر قابو نہیں پایا جا سکتا

اس کی سرکشی حد سے بڑھ کر ہے
کسی کو اس کی باگیں کھینچنے کا یارا نہیں

یہ وہ گھوڑا ہے جس کی نہ باگ ہے نہ لگام
ایسے سمند سے عمر کا شہسوار گر کر ہی رہے گا

سو برس کی رفاقت ایک لمحے میں ختم ہو جاتی ہے
عمر کی دوستی میں کچھ ایسی بے وفائی بھری ہے

اگر کوئی عمر کا حساب اور درازی دیکھنا چاہے
تو وہ اپنے آپ کو حباب کی آنکھوں سے دیکھے

میں نہ گھر سے نکلتا ہوں نہ کسی سفر پر جاتا ہوں
اس کے باوجود میری عمر بغیر سفر قطع ہو رہی ہے

آخرش اجل کی قینچی اسے کاٹ دے گی
رشتہ زندگی سدا پیوستہ نہیں رہتا

اے رحمٰن! وہ بار دگر دنیا میں نہیں آسکتا
جو ایک بار اس دنیا میں آیا۔

(۱۴)

اگر کسی کو عزت و افتخار کا فخر درکار ہے
تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محبت میں یہ چیزیں
دولت خرچ کر کے حاصل نہیں
کی جا سکتیں

اگر کسی نے زریں لباس زیب تن کیا ہوا ہے
تو کیا ہوا، بس یوں سمجھو کہ وہ یا مرغ زریں ہے یا مور

اگر کسی کے سر پر تاج رکھا ہے تو پھر کیا ہوا
میری نظروں میں اس کی حیثیت مرغ کی کلغی سے زیادہ نہیں

اگر کوئی شخص نہ فہم و فراست کا مالک ہے نہ علم کا
تو ایسا بے روح آدمی عکس معکوس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا

جس آدمی کے خرمن میں دانہ نہیں
اس کی مثال محض بھوسہ اڑانے والے کی ہے

تصنع کے مارے ہوئے شخص سے
کسی بہتری اور خیر کے کام کی توقع نہ رکھو
ایسا شخص قوم میں تفرقہ اور افراتفری کا باعث بنتا ہے

اس کی ترقی دراصل ترقی معکوس اور ویرانی کی تصویر ہے
دیکھنا ہے تو اس کی بلند و بالا عمارات میں دقیانوسیت دیکھو

اگر تمہیں میری گفتگو میں ذرا بھی جھوٹ یا شائبہ محسوس ہو
تو پھر اس شہر میں جاسوس چھوڑ کر اصل حقیقت حال معلوم کرو

اے ساقی میرے محبوب کے ہاں سے مجھے مے لا دو
کہ میں ہوش و خرد کھو دوں
اللہ نہ کرے کہ میں انا کی قید میں محبوس ہو جاؤں

اگر کسی کو دنیا بھر کے حسن و نعمت کی طلب ہو
تو اسے میری محبوبہ کی طرح کسی دوسری دلہن میں یہ ساری چیزیں یکجا نہ ملیں گی

اے رحمٰن! تم حسن یار کو پردوں میں دیکھنا چاہتے ہو بڑے سادہ ہو
کبھی شمع کی روشنیاں فانوس میں ڈھکی چھپی رہ سکتی ہیں

(۱۵)

بڑھاپا آتا ہے تو صبیح چہرے سیاہ ہانڈیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں
اور سرو قد ٹیڑھی لکڑیوں میں ڈھل جاتے ہیں

صبحدم کی شمع اور جاڑے کی صبح کے آفتاب کی طرح
بس ایک ہی بات ہے بڑھاپا آئے تو لرزہ برندامی اور زرد روٹی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

سر لرزتا ہے پاؤں غلط پڑتے ہیں
بڑھاپے میں سارا بدن اجنبی بن جاتا ہے

بڑھاپا ایسی لعنت ہے کہ آدمی گو زندوں میں شمار ہوتا ہے
لیکن اس کے برعکس وہ درحقیقت مردہ ہوتا ہے

جو مر جائے وہ ایک لحاظ سے بہتر ہے
کہ اسے دوسری زندگی ملنے کا انتظار ہوتا ہے
کہ جو شخص بوڑھا ہو جائے
اس کے جوان ہونے کی توقع غلط ہے، ناممکن ہے

بڑھاپا ایسی لعنت ہے کہ اس کی روزی زہر بن جاتی ہے
نہ وہ کھانے کے قابل رہتا ہے نہ کچھ پینے کے

یہ تو جوانی ہے کہ آدمی دیکھ اور سن کر لذت حیات حاصل کرتا ہے
بڑھاپے میں تو انسان دیکھنے اور سننے کی نعمتوں سے محروم ہو کر رہ جاتا ہے

اے رحمٰن! بڑھاپا بے دست و پائی کا نام ہے
کہ اگر کوئی رستم بھی بوڑھا ہو جائے تو اس پر ترس آتا ہے

(۴)

جب کوئی اپنی ہی قسمت نہیں بنا سکتا
تو وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کر پائے گا

کوئی غموں کو اپنانا چاہتا ہے؟
اور جب غموں کا بوجھ اس پر پڑ جائے
اور وہ ان سے جان چھڑانے کے بجائے
غموں کو قبول کر کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے
اور اللہ کے کاموں کی راہ میں ہمت ہار بیٹھے
وہ بے معنی چیز ہے

وہ کام جو تقدیر پر موقوف ہیں
انہیں کوئی محنت اور مشقت سے نہیں کر سکتا۔

جو قضا اور رضا کے ہاتھوں راضی برضا ہو جائے
اسے کسی سے گلہ یا شکایت نہیں کرنی چاہیے

محبوب یا مغلوب کی وفا اور جفا سب اس کی ہنرمندی۔
حکما کی حکمت کا راز کوئی کیا جانے؟

جو اپنی اطاعت اور ریاضت پر غرور کرتا ہے
وہ ابلیس کی اطاعت و ریاضت کا انجام بھی دیکھ لے۔

علت تو کی جا سکتی ہے لیکن آدمی کی عادت نہیں جاتی
اللہ کسی کو بری عادت میں مبتلا نہ کرے

رحمٰن! مجھے فراق کا سیلاب بہائے لئے جا رہا ہے
کیا کوئی اللہ کا بندہ اللہ کی راہ میں مجھے بچا سکتا ہے۔

(۱۷)

میں زندگی میں کچھ حاصل نہ کرسکا
اب میں ہر طرف سے ٹھکرایا ہوا آدمی ہوں
ابھی تو مجھے بو بھی نہیں آئی
لوگ مجھے واصل کیوں سمجھنے لگے۔

میں گناہوں کے گردابوں میں یوں
ڈوبا ہوا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے
ساحل بھی نہیں دیکھ سکا

مجھے ہر وقت اپنے وطن سے جلاوطن کردیتے ہیں
میرے رقیب مجھے لحظہ بھر بھی ٹکنے نہیں دیتے

بلائیں ہیں، جفائیں ہیں، کہ وفائیں
یہ سب آفتیں خدا نے مجھ پر نازل کردیں۔

دنیا میں آکر میں اس کی ناپاکیوں کا شکار ہوگیا
افسوس نہ میں عالم بن سکا نہ عاقل۔

رحمٰن! میری سیاہ داڑھی سفید ہو چکی ہے
حیرت ہے اس کے باوجود نہ مجھے بلوغت ملی نہ عقل۔

(۱۸)

اگر کوئی مجھے فقیر سمجھتا ہے تو یونہی سہی
میں فقیر ہوں
اور اگر کوئی مجھے امیر سمجھتا ہے تو یہ بھی سہی
میں امیر ہوں
میں محبوباؤں کا صدقہ مانگ رہا ہوں
اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے
کہ میں دنیا کے مال و منال کا بھوکا ہوں۔

خرقے کی خدمت چاہے مشکل ہو یا آسان
میں اس کے لئے ہر وقت کمر بستہ ہوں

میں کچھ لوگوں کی نصیحت قبول کر رہا ہوں
اور کچھ لوگوں کے لئے ناصح بنا ہوا ہوں
گویا میں کچھ لوگوں کا پیر اور کچھ لوگوں کا مرید۔
میں فراق میں خیال یار کے ساتھ ہوں
گویا زنداں میں یوسفؑ کے ساتھ اسیر ہوں۔

میری ہنسی میں شمع کی طرح گریہ پنہاں ہے
میں دنیا سے پوشیدہ ماتم کناں ہوں

ایسی آزادی کو میں آگ میں جھونکوں
جس میں شب و روز محبوب کے لئے تڑپتا رہوں۔

میں اپنے محبوب کے چہرے کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہوں
کہ فراق و ہجر کا خوف مجھ پر طاری ہے۔

میرے سامنے خوشحال خان خٹک اور دولت خان جیسے صاحبان قلم
غلاموں کی سی حیثیت رکھتے ہیں
اے رحمٰن میں پشتو زبان کا (شہنشاہ) عالمگیر ہوں۔

(۱۹)

ہمیشہ محمود غزنوی کو پیش نظر رکھو
جس کے عشق نے اسے اپنے غلام کا غلام بنا دیا۔

نیک لوگوں کا مدعا عمل صالح ہوتا ہے
وہ اس کام میں نہ صبح دیکھتے ہیں نہ شام

جب نماز میں حضوری اور خضوع و خشوع کا فقدان ہو
تو پھر وہ نماز بے معنی ہے چاہے امام کی ہو یا مقتدی کی۔

اگر کوئی شخص محبت میں مجنوں کی طرح مخلص ہے
تو "رحمٰن" ایسے عاشق پر سلام بھیجتا ہے۔

پشاور کی حسینائیں رحمٰن کے اشعاد گاتی بھی ہیں
اور ان پر رقصاں بھی ہیں اور خنداں بھی۔

(۲۰)

فراق کے غم کہاں تک شمار کیے جاؤں
یہ تو صحرا کی ریت کے ذروں کی طرح ان گنت ہیں
میں آدمی سے دشمنی کی
سکت نہ رکھتا تھا
کہ خدا نے آسمان کو میرا دشمن بنا دیا۔

جیسے کوئی اونٹ کا بوجھ چیونٹی پر ڈال دے
ایسے ہی مجھ ناتواں پر غموں کا بار آپڑا ہے
جو فرقت کی آگ مجھ پر برس رہی ہے کون ہے؟
جو اس کا اندازہ کر سکتا ہو۔

میرے غموں کو صرف وہ شخص گننے کی اہلیت رکھتا ہے
جو اپنے بدن کے بال گن سکتا ہو

اگر کوئی پوچھے کہ فراق یار میں تیرا کیا حال ہے
تو وہ اپنے دل میں دوزخیوں کا تصور کر لے۔

(۲۱)

میری بے قرار روح ہوا میں اوپر کی جانب پرواز کر گئی
اب تو زمین پر ایک نقش حیرت رہ گیا ہے۔

میرے محبوب کی بڑی بڑی آنکھوں نے
میرا دل، میری روح، میرے جسم سے نکال لی ہے
اب میں بت کی طرح نقش دیوار بن کر رہ گیا ہوں۔

میں سمجھا تھا کہ مومن کا دل عرش کی مانند ہوتا ہے
معلوم نہ تھا کہ عشق نے اس عرش کو ویران کر دینا ہے

عشق نے مجھے اس حد تک ہوش سے بیگانہ کر دیا ہے
کہ اب نہ ہوش و حواس ہے نہ سر و سامان

میں ہر جانب سے تہمتوں کے پتھروں کا نشانہ بن رہا ہوں
مجھے ہی دنیا والے گناہ گار گردان رہے ہیں۔

رحمٰن! اگر تو اس حال کو نہ پہنچتا
تو تیری گفتار کی طرف سے کوئی
کیوں یوں بے اعتنائی برتتا۔

تم نے دن فضولیات میں اور رات سو کر گزار دی
اے بد بخت خدا کو کس وقت یاد کرو گے۔

دنیا تیزی سے رواں ہے
اے غافل تیری عمر بھی تیزی سے گزر رہی ہے
اس امر سے غافل مت رہنا۔

یہاں تمہارے ہر نفس کا شمار ہے
تمہارے ہر اقدام کا حساب رکھا جا رہا ہے
خیال رکھ تیرا کوئی قدم غلط راہ پر نہ پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کتاب بھی اتاری ہے
اس میں واضح طور پر ہر چیز کا محاسبہ ہونے کا تذکرہ ہے
تو بھی اپنے ہر عمل کا حساب دینے کی روش
اس کتاب سے سیکھ لے۔

تم اپنے نیک و بد اعمال کو ترازو میں تول کر دیکھ
تو نے عذاب کی نسبت کتنا زیادہ ثواب حاصل کیا ہے۔

جب تم اس دنیا میں اپنے اعمال کی جوابدہی سے قاصر ہو
تو اس جہان میں اپنے برے اعمال کا کیا جواز اور جواب لاؤ گے۔

(۲۳)

آخر تم نے مٹی کا رزق بننا ہے
تا کے اپنی انگلیوں سے اپنے کپڑوں کی گرد جھاڑو گے۔

آخرش اس کاغذ کی کشتی پر بیٹھ کر
کہاں کہاں کی کتنی سیر کر سکو گے
یہ کشتی تو تمہیں ڈبو کر مار دے گی۔

آج تم سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے
سایوں کا رخ کر رہے ہو
لیکن جب آفتاب سوا نیزے پر آجائے گا
تو کیا کرو گے۔

اے رحمٰن! اگر تو روز محشر کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے
تو کسی کو تکلیف میں دیکھ کر خوشی نہ منا۔

(۲۴)

اپنے پیٹ کو رسی سے مضبوط باندھ لو
اور آسمان سے من و سلویٰ اترنے کی توقع مت رکھو۔

ہر وہ سائل جو آسمان سے ایک روٹی کا سوال کرتا ہے
وہ گویا اپنے کشکول میں چاند کی خیرات مانگتا ہے۔
اگر کوئی آسمان سے وفا کی امید رکھتا ہے
تو میں سمجھتا ہوں کہ اس طمع کو
طاعون کہا جا سکتا ہے۔
تم نے بارش مانگی تو اس کے ساتھ اولے بھی برسے
جس کا ہر زخم بندوق کی گولی سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔
اگر آسمان کسی پر مہربان ہو جائے اور شفقت سے پیش آئے
تو کسی دن اس کا ظلم و استبداد ازبکوں کے ظلم سے بڑھ کر ہوتا ہے۔
آدمی قناعت کے بغیر کسی چیز سے سیر نہیں ہو پاتا
چاہے اس کا گھر سیم و زر سے ہی کیوں نہ بھرا ہو۔

کوئی کمال بھی عاجزی اور انکساری کے بغیر حاصل نہیں ہوتا
چاہے اس کے خیمے عرش پر ہی کیوں نہ گڑے ہوں
اوروں کے لئے یہ دنیا کتنی ہی فراخ اور وسیع کیوں نہ ہو
تنگ نظر کے لئے تنگ ہی رہتی ہے۔
اس دنیا کے دوستوں کی آنکھ سے حیا کا پانی عنقا ہے
تم بیشک زمین سے آسمان تک تلاش کر کے دیکھ لو۔

عاشقوں کے اشک آبدار بھی ہیں نمکین بھی
خدا کسی کو آب و نمک سے محروم نہ کرے۔

اے رحمٰن! دنیا کے اندیشوں کو اتنا طول نہ دو
دنیا کے کاروبار تو پلک جھپک کے ہیں۔

(۲۵)

اگر خدا کے علاوہ کسی چیز سے دل لگاتے ہو
تو کیا جانتے ہو کہ یہ کام درست ہو گا یا بے محل؟

یہ بات تو نہیں کہ تم زندگانی جاوید لے کر آؤ گے
بہت ہو گا تو سو سال جی لو گے
اگر تمہاری عمر سو سال بھی ہو جائے تو کیا
بتاؤ اس کے بعد کیا کر پاؤ گے۔

جس کے ہاتھ سے کوئی کام نہیں ہو پاتا وہ کیا ہے؟
مرد وہ ہے جو دور سے دشمن کی تاک میں بیدار ہو کر بیٹھا ہے۔

تم اصل میں انسان ہو
اے دو پاؤں والی مخلوق
چارپاؤں والے مویشیوں کی سی حرکتیں مت کرو۔

تمہارا شمار مکھیوں اور چیونٹیوں کی صف میں ہو گا
تم ہماہو گوشت اور گھی کی لالچ چھوڑ دو۔

اے تخت اورنگ پر سریر آرا گدا!
حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہو پاتا
سیری صرف قناعت میں ہے۔

اے رحمٰن! اگلے پڑاؤ کے لئے توشتہ سفر باندھ لو
جب تک تمہارا ٹھکانہ اس سرائے میں ہے
اور آخری سفر پر نہیں چل نکلتے۔

(۳۶)

غواصوں کو موتیوں کی تلاش ہے
تو موتی ان کے لئے موجود ہیں
اگر دل کی تلاش کرنے والے دلبروں کی تلاش میں ہیں
تو دلبر بھی موجود ہیں
میرے محبوب کا کوئی ثانی نہیں
دنیا کے سب دلرباؤں کا کوئی سردار ہے
تو وہ میرا محبوب ہے۔
لب لعلین اور چاہ زنخدان کی لذتوں کا کہیں مثیل نہیں
آؤ دیکھو تو یہیں آب زمزم بھی موجود ہے اور آب کوثر بھی۔
اگر وصال اور ہجر کا تجزیہ کرو
تو وصل جنت ہے اور فراق دوزخ۔

اے خطیب، منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کیا کہہ رہا ہے
اگر قدم کو اپنی ذات تک محدود رکھے تو یہی منبر ہے۔

مکہ معظمہ کا سفر تو آسان ہے
مردانگی تو یہ ہے کہ اپنی ذات سے نکل اور سفر کر
یہی اصل سفر ہے۔

جو صاحب ثروت کسی درویش کی دلجوئی کرتا ہے
درحقیقت درویش وہ خود ہے
کوئی تونگر اگر قناعت کے خزانے جمع کرنے لگے
تو پھر اس جیسا تونگر دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔

ہنر یہ نہیں کہ مٹی کو سونا بنا دیا جائے
اے رحمٰن! اصل ہنر یہ ہے کہ سونے کو مٹی بنا دیا جائے۔

(۲۷)

سفید رخسار اور سیاہ تل
ایک دوسرے کے لئے باعث موزونیت ہیں
لگتا ہے کہ محمود اور ایاز دونوں ہمدم
ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں۔

اگر تمہارا چہرہ زلفوں میں چھپ گیا ہے
تو کوئی بات نہیں
اب حیات بھی تو ظلمات میں نہاں ہے۔

تیری زلفوں، رخساروں اور لب لعلین سے
شام، شفق اور سحر پیدا ہوئی ہیں۔

تیرے دہن میں در دنداں کی چمک
گویا ادھ کھلی کلی میں شبنم کے قطرے چمک رہے ہیں۔

تیرے غمزوں نے میرے دل کو کچھ آج ہی زخمی نہیں کیا
یہ تو سدا سے یوں ہے جیسے گوشت کو چھری۔

(۲۸)

روئے بغیر چشم سیاہ
کسی کی طرف مائل نہیں ہوتی
نرگس کا پھول
ندی کی نمی سے کھلتا ہے۔

کوئی بغیر زحمت اٹھائے
راحت حاصل نہیں کرپاتا
تیری وفا اور جفا دونوں
اپنا اثر تقسیم کیے ہوئے ہیں۔

رحمٰن کے اشعار کا چرچا
چار دانگ عالم میں
تمہارے حسن کی توصیف کے سبب سے ہے۔

(۲۹)

اگر تم دنیا کے بکھیڑوں اور الجھنوں پر نظر ڈالو
تو معلوم ہو گا کہ ان کی کوئی حد اور کوئی حساب نہیں۔

جو غم بھی تم پر ٹوٹے سہہ جاؤ اور خاموش رہو
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دشمن خوش ہوں گے
اور تمہارے دوست پریشان ہوں گے

صبر کو اپناؤ
اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آرزو پوری ہو جائے
جلد بازی اور عجلت سے کچھ حاصل نہ ہو گا
جلدی کاموں میں رخنے ڈالتی ہے۔

راضی برضا رہو
اور قضا کے لئے فراغت حاصل کر کے تیار رہو
اور اگر تم نے اس کے برعکس کیا
تو اپنے آپ کو برباد کر ڈالو گے۔

آزادی اور کاروبار حیات
دونوں میں بعد ہے
اگر کچھ کرنا ہے
تو ان بکھیڑوں سے اپنے آپ کو آزاد کرو۔

رحمٰن! تم خود دنیا کو فانی تسلیم کرتے ہو
تو پھر اس فانی دنیا کی چیزوں پر
کیوں اعتبار کرتے ہو۔

(۳۰)

اگر تمہیں
دنیا بھر کے غم بھی گھیر لیں
تو ذرا غم نہ کرو
آخر کار یہ ٹل جائیں گے۔

غم وہ ہے
جو کسی کے سامنے موجود ہو
غم تو آنی جانی والی چیز ہے
نئے غم آتے ہیں پرانے غم گزر جاتے ہیں
اور ہم ان غموں کو بھول جاتے ہیں۔

دنیا میں صرف خدا کے بغیر
کوئی شے بھی ایک حال میں نہیں رہتی
انسان کی حیثیت تو باٹ کی سی ہے
کبھی شیر شاہی وزن
کبھی سیر بن کر گھٹ جاتا ہے۔

صرف آدمی ہی ہے
جو رنگ رنگ کے جلوے دکھاتا ہے
کبھی زور آور بن جاتا ہے کبھی زیر ہو جاتا ہے
دنیا کے کاموں کو کبھی قرار نہیں
پلک جھپک میں کیا کیا انقلابات آجاتے ہیں۔

اس مختصر عرصہ حیات میں
اتنے زیادہ غم کیوں کر نازل ہو جاتے ہیں

یہ دراصل انسان کی اپنی بے صبری سے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

خریدار اور بیچنے والے
جب سودے میں متفق ہوں
تو نقصان کا خدشہ ختم ہوجاتا ہے۔

دنیا میں حسیناؤں کی کوئی کمی نہیں
لیکن کیا "رحمٰن" کے محبوب کا کوئی مدمقابل پیدا ہو سکتا ہے۔

(۳۱)

ان ہرجائیوں کو محبوب کی کیا قدر ہو گی
جن کے یار ہر جگہ، ہر سمت اور ہزاروں ہوں۔

حقیقی عاشق وہ ہے جو اپنے محبوب پر قربان ہو جائے
جس کی محبتوں کا مرکز ایک ہو
اور وہ دوسروں کو تج دے۔

اگر میرا صبرو قرار حد سے بڑھ جائے
تو مجھ پر صبرو قرار حرام ہو جائے

زندگی کا حسن محبوب کے وصال میں ہے
جو زندگی محبوب کے بغیر کٹے
وہ زندگی بے مصرف اور بیکار ہے۔

اگر کوئی اپنے محبوب کے ہاتھوں
آگ میں جلتا ہے
تو وہ آتش عاشقوں کے لئے گلزار کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

محبت آزار نہیں
اور اللہ نہ کرے کہ میرے دل میں تیری محبت
ذرہ برابر بھی دکھ پیدا کرے۔

انہیں عاشق مت کہو
جنہیں یا تو اپنے سر کی فکر ہے یا دستار کی
عشق میں عاشق کو جان و مال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔

اس شخص کے لئے دوزخ مقام ہے

جو زنار پہنتا ہے
لیکن تیری زلفوں کے زنار
جو بھی اپنے گلے میں حمائل کرے
اس کے لئے یہ سزا موقوف ہے۔

اگر تیری زلفوں کا زنار
کوئی اپنے گلے میں حمائل کر لے
اور دوزخ کی آگ میں جلنے لگے
تو وہ دراصل یہ آگ تو تیرے رخساروں کی ہو گی۔

وہ دوشیزہ لیلیٰ کی طرح رسوا ہو کر رہے گی
جس کے در پر "رحمٰن" جیسا مجنوں پڑا ہو گا۔

(۳۲)

اگر تمہاری محبت غیر کے لئے ہے
تو پھر میں تیری خاطر اغیار
کو بھی دوست سمجھوں گا

اگر کوئی ایک چہرے کا عاشق زار ہو
تو اس کے لئے ایک چہرے میں
ہزار چہروں کے جلوے نہاں ہوتے ہیں۔

وہ جو بادشاہوں کی ملازمت میں ہوتے ہیں
وہ بادشاہوں کے دربانوں کے بھی مرہون منت رہتے ہیں۔

میں تمہاری خاطر اپنے رقیبوں کو بھی برداشت کرلوں گا
اس مثل کے مصداق کہ گلاب کے ساتھ خار بھی ہوتے ہیں۔

گل کا قرب پانے کے لئے بلبل کو
سو کانٹوں کی چبھن اپنے سینے میں سہنی پڑتی ہے۔

اپنے ساقی کی راہ میں اپنا سجادہ بھی فرش کی طرح بچھا دیتا ہے‘
ہر وہ صوفی جو محبوب کی خمار آلود آنکھوں کا طلبگار ہوتا ہے۔

کوئی افلاطون جیسا عاقل و دانشور کیوں نہ ہو
عشق کا جذبہ اسے دانش سے دیوانگی کی جانب کھینچ لاتا ہے۔

ہر وہ شخص جو تیرے چہرے کی ایک جھلک دیکھ چکا ہے
وہ ”رحمٰن“ کو تیرے دیدار پر قطعاً” برا بھلا نہ کہہ سکے گا۔

(۳۳)

میرے سامنے کی بات ہے
کئی دہن شکر کی لذت سے آشنا تھے
پھر یوں ہوا کہ زمانے کی تلخی نے
انہیں مٹی میں ملا دیا۔

صندل کے درخت
کانپے اور پھر معدوم ہو گئے
شمشاد کے درخت کی ہزار شاخیں
آرے سے کٹ کر زمین بوس ہو گئیں۔

ان زمینوں پر
جہاں محلات آسمانوں سے باتیں کرتے تھے
گردش ایام نے ان پر
ایسا ہل چلایا
کہ انہیں گورستان میں بدل دیا۔

جو شخص دنیا میں
آشنائی کی بنیادیں استوار کرتا ہے
فراق کی تلوار اس کے لئے
ساتھ ساتھ ہی تیز ہوتی جاتی ہے۔

خدا نے فلک کو
کچھ ایسی خوبو عطا کی ہے
کہ یہ کسی کے لئے دست دعا بن جاتا ہے
اور کسی کے لئے بددعا کا موجب بنتا ہے۔

اے رحمٰن!
اس دنیا کے
حسین محلات کی تمام اینٹیں
تیرے لئے سروں کے میناروں میں ڈھل گئی ہیں۔

کلام بلھے شاہ

(۱۶۸۰ء - ۱۷۵۲ء)

مترجم

راشد متین

بلھے شاہ
(۱۷۵۸ء۔ ۱۶۸۰ء)

راشد متین

بلھے شاہ مغلیہ سلطنت کے عالمگیری عہد کی روح کے خلاف ردعمل کا نمایاں ترین مظہر ہیں۔ ان کا تعلق صوفیاء کے قادریہ مکتبہ فکر سے تھا ان کی ذہنی نشو و نما میں قادریہ کے علاوہ شطاریہ فکر نے بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اسی لئے ان کی شاعری کے باغیانہ فکر کی بعض بنیادی خصوصیات شطاریوں سے مستعار ہیں۔ ایک بزرگ شیخ عنایت اللہ قصوری، محمد علی رضا شطاری کے مرید تھے۔ صوفیانہ مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے اور قادریہ سلسلے سے بھی بیعت تھے اس لئے ان کی ذات میں یہ دونوں سلسلے مل کر ایک نئی ترکیب کا موجب بنے۔ بلھے شاہ انہی شاہ عنایت کے مرید تھے۔

بلھے شاہ کا اصل نام عبداللہ شاہ تھا۔ ۱۹۸۰ء میں مغلیہ راج کے عروج میں اوچ گیلانیاں میں پیدا ہوئے کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد قصور کے قریب پانڈو میں منتقل ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ قرآن ناظرہ کے علاوہ گلستان بوستان بھی پڑھی اور منطق، نحو، معانی، کنز قدوری شرح و قایہ، سبقاء اور بحراطبواۃ بھی پڑھا۔ شطاریہ خیالات سے بھی مستفید ہوئے۔ مرشد کی حیثیت سے شاہ عنائت کے ساتھ ان کا جنون آمیز رشتہ ان کی مابعد الطبیعات سے پیدا ہوا تھا۔ وہ پکے وحدت ابوجوی تھے اس لئے ہر شے کو مظہر خدا جانتے تھے۔ مرشد کے لئے انسان کامل کا درجہ رکھتے تھے۔ مصلحت اندیشی اور مطابقت پذیری کبھی بھی ان کی ذات کا حصہ نہ بن سکی۔ ظاہر پسندی پر تنقید و طنز ہمہ وقت ان کی شاعری کا پسندیدہ جزو رہی۔ ان کی شاعری میں شرع اور عشق ہمیشہ متصادم نظر آتے ہیں اور ان کی ہمدردیاں ہمیشہ عشق کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان کے کلام میں عشق ایک ایسی زبردست قوت بن کر سامنے آتا ہے جس کے آگے شرع بند نہیں باندھ سکتی۔

اپنی شاعری میں وہ مذہبی ضابطوں پر ہی تنقید نہیں کرتے بلکہ ترک دنیا کی مذمت بھی کرتے ہیں اور محض علم کے جمع کرنے کو وبال جان قرار دیتے ہیں۔ علم کی مخالفت اصل میں علم بغیر عمل کی مخالفت ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو احساس ہوتا ہے کہ بلھے شاہ کی شاعری عالمگیری عقیدہ پرستی کے خلاف رد عمل ہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ چونکہ لاقانونیت، خانہ جنگی، انتشار اور افغان طالع آزماؤں کی وحشیانہ مہموں میں بسر ہوا تھا اس لئے اس کا گہرا اثر ان کے افکار پر بھی پڑا۔ ان کی شاعری میں صلح کل، انسان دوستی، اور عالم گیر محبت کا جو درس ملتا ہے وہ اسی معروضی صورت حال کے خلاف رد عمل ہے۔

بلھے شاہ کا انتقال ۱۷۵۸ء میں قصور میں ہوا اور یہیں دفن ہوئے۔ ان کے مزار پر آج تک عقیدت مند ہر سال ان کی صوفیانہ شاعری کی عظمت کے گن گا کر انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

میرا دل "الف" اللہ کی بنا پر ہی سرخ ہے

میرا دل "الف" اللہ کی بنا پر ہی سرخ ہے
"ب" کے بارے میں میں قطعاً لاعلم ہوں
"ب" پڑھنے سے کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا
البتہ "الف" کا لطف خوب خوب آتا ہے
مجھے تو "ع" اور "غ" کے مابین بھی فرق معلوم نہ تھا
یہ رمز بھی "الف" ہی کی بدولت کھلی
بلھے۔ قول تو "الف" ہی کے برحق ہیں
جو دل کو مصفا کر دیتے ہیں

جیسی صورت "ع" کی

جیسی صورت "ع" کی ہے۔
"غ" کی صورت بھی ویسی ہے
فرق ہے تو محض ایک نقطے کا
جس کے لئے جہاں بھر سرگرداں ہے۔

اب تو جاگ

مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ
رات بیت چلی ہے اور ستارے بھی ماند پڑ گئے ہیں

تیرا قیام آواگون کی سرائے میں ہے
تیرا ساتھ دینے کو دوسرے مسافر بھی تیار ہیں
تو نے ابھی تک کوچ کا نقارہ ہی نہیں سنا
مرے مسافر اب. تو جاگ اٹھ
کچھ کر لے کہ عمل کا وقت آج ہی ہے
یہاں دوبارہ آنا ممکن نہیں
اب تو ساتھی بھی چلو چلو پکار رہے ہیں
مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ

موتی جواہرات پارس اور سونا
اک سمندر تیرے قریب ہو اور تو پیاسا رہے
آنکھیں کھول بیکار شخص اٹھ بیٹھ
میرے مسافر اب تو جاگ اٹھ

بلھے! محبوب کے پاؤں پکڑ لے
غفلت چھوڑ اور کچھ حیلہ کر
بغیر جتن کئے تو ہرن بھی
کھیت کے اجاڑ کا سبب ہی ہوتا ہے۔
مرے مسافر اب تو جاگ اٹھ

اپنا ٹھکانا بتا

اپنا ٹھکانا تو بتا
تو کہاں سے آیا ہے اور کدھر جانا ہے تجھے۔

جس بسیرے پر تو اترا رہا ہے
وہ تیرے ساتھ تو نہ جائے گا

ظلم کرنا لوگوں کو ستانا
اور لوٹ کھانا تو نے اپنا معمول بنالیا ہے
اودھم مچانے کے چار ہی تو دن ہیں
بلاخر تجھے یہاں سے جانا ہی پڑے گا

چلو شہر خاموشاں میں جابسیں
جہاں سبھی کو سمانا ہے
کشتیاں بھر بھر کر لے جانے والا
ملک الموت قوی بھی ہے اور ہوشیار بھی

اور بلھا تو سب میں سب سے پرانا گناہ گار ہے

اپنا ٹھکانا تو بتا
تو کہاں سے آیا ہے اور کدھر جانا ہے تجھے۔

مجھے اپنے سنگ سنگ رکھنا

مجھے اپنے سنگ سنگ رکھنا پیارے۔ اپنے سنگ سنگ رکھنا

عزم سفر کروں تو چنگھاڑتے صحرا جنگل درخت اور بلائیں
بھیڑیئے چیتے اور خونخوار درندے راستے روکنے کو آکھڑے ہوتے ہیں

تیرے پار تو موجیں مارتا ہوا دریا چڑھا ہوا ہے اور کنارے کنارے
لاکھ بلائیں موجود ہیں۔

دل خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے میری کشتی تو ہی پار لگا
اور بلھے شاہ کو اپنے محبوب کا مکھڑا گھونگٹ کھول کر دکھا دے۔

مجھے اپنے سنگ سنگ رکھنا پیارے اپنے سنگ سنگ رکھنا۔

دوست بھی ہمسائے سے اٹھ چکے

دوست بھی ہمسائے سے اٹھ چکے۔
خدایا اب کیا کریں۔

اٹھ چلے اب نہیں رکتے۔
ساتھی بھی تیار ہیں۔
خدایا اب کیا کریں

چاروں جانب روانگی کے چرچے ہیں
ہر طرف یہی شور (اعلان) ہے
خدایا اب کیا کریں

کلیجے میں الاؤ جل جل اٹھتے ہیں
اب تک تیرا دیدار نہیں ہو پایا
خدایا اب کیا کریں

بلھے، محبوب (حقیقی) کے بغیر
ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔
خدایا اب کیا کریں

اک نقطے میں بات مکمل ہو جاتی ہے

بس ایک نقطہ پکڑ لے اور حساب کتاب کو چھوڑ
دوزخ اور قبر کے عذاب بھی بھول جا
کفر کے دروازے بند کر دے
دل کے خواب مصفا کر لے
حقیقت ایسے ہی گھر میں بسیرا کرتی ہے
اور ایک نقطے میں بات مکمل ہو جاتی ہے

یونہی اپنی پیشانی زمیں پر رگڑتا ہے
اور ماتھے کا محراب لوگوں کو دکھاتا پھرتا ہے
پڑھ پڑھ کلمے جگ ہنسائی کا موجب بنتا ہے
لیکن یہ سمجھ بوجھ دل کے اندر نہیں لے آتا
کہیں سچی بات بھی چھپی رہتی ہے
ایک نقطے میں بات مکمل ہو جاتی ہے

ایک وہ ہیں جو جنگلوں اور ویرانوں کا رخ کرتے
ہیں
اور کھانے میں روزانہ محض ایک دانے پر اکتفا کرتے
ہیں
ناسمجھ خواہ مخواہ اپنا بدن تھکا لیتے
ہیں
اور تھکے ہارے گھروں کو لوٹتے
ہیں
چلے کاٹ کاٹ کر بدن سوکھ کر رہ جاتا
ہے
حالانکہ ایک نقطے میں بات مکمل ہو جاتی
ہے

کئی تو حاجی بن کر
آئے ہیں
تن پر نیلے رنگ کے ملبوس
پہنے
یہی لوگ حج بیچ کر پیسے کماتے
ہیں
لیکن یہ (سچی) بات کسے گوارہ
ہے
کوئی سچی بات کو بھلا روک سکتا
ہے
بات اک نقطے میں مکمل ہو جاتی
ہے

بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

نہ مسجدوں میں، میں مومن ہوں
نہ میں کفر کی کسی کسی لڑی سے منسلک ہوں
میں پاکبازوں میں ناپاک بھی نہیں
نہ میں موسیٰ ہوں نہ ہی فرعون ہوں
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

میرا بسر پلیدی اور پاکی میں بھی نہیں
نہ کسی خوشی میں نہ کسی غمی میں
نہ ہی آبی ہوں اور نہ ہی خاکی
میں آگ بھی نہیں ہوں اور نہ ہی ہوا
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

میں نے مذہب کا بھید بھی نہیں پایا
نہ مجھے آدم و حوا نے جنا
مجھے تو کوئی نام بھی نہیں دیا گیا
نہ بیٹھنے والوں میں ہوں نہ گھومنے والوں میں
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

اول و آخر گویا میں ہی ہوں
کوئی دوسرا پہچانا ہی نہیں جاتا
مجھ سے بڑھ کر ذی عقل کون ہے

بلھے! وہ سامنے کون کھڑا ہے؟
بلھے کیا جانوں میں کون ہوں

بلھے کو سمجھانے آئیں

بہنیں اور بھابیاں بلھے کو سمجھانے آئیں
بلھے ہمارا کہنا مان اور ارائیوں کا دامن چھوڑدے
تو نے تو آل نبی اولاد علی کی عزت کا پاس بھی نہیں رکھا

اب جو بھی ہمیں سید پکارے دوزخ کی سزا پائے
اور جو ہمیں ارائیں کہے وہ بہشتی پینگھ جولے

ارائیں تو ہر جگہ سائیں (عالی مرتبت) ہیں۔ خدا کی بے نیازی ہے
خوبصورتوں کو پرے ہٹا کر کج صورتوں کو سینے سے لگالیا ہے

اگر باغوں اور بہاروں کو ڈھونڈنا ہے تو ارائیوں کی چاکری اختیار کر
بلھے شاہ کی ذات کیا پوچھتا ہے خدا کی رضا پر شاکر ہو جا

تیرے عشق نچایا

تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے
تیرے عشق نے میرے من میں ڈیرے ڈال دیئے ہیں
زہر سے لبالب یہ پیالہ میں نے خود ہی پیا ہے
اے طبیب آنکھ جھپکتے میں پہنچ ورنہ میں مرجاؤں گی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے

سورج تو چھپ گیا مگر اس کی سرخی ابھی باہر ہے
اگر دوبارہ دکھائی دے جائے تو میں قربان ہو جاؤں
مرشد مجھ سے بھول ہوئی کہ تمہارے ساتھ نہ گئی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے

ماں مجھے اس عشق سے مت روک
تیز پانیوں میں بہتی کشتیوں کو کون واپس لا سکتا ہے
یہ تو میری عقل سے بھول ہوئی
کہ زور آواروں کے ساتھ چل پڑی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے۔

عشق کے اس پڑاؤ میں مور بولتے ہیں
سوہنا یار قبلہ و کعبہ معلوم ہوتا ہے
مجھے گھائل کر کے دوبارہ خبر تک نہیں لی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا ہے

بلھا! محبوب مجھے شاہ عنائت کے در پر لے آیا
جس نے مجھے سبز اور سرخ چولے پہنوائے
جب میں نے ناچنے کے لئے ایڑی ماری
تو اک آشتی سی حاصل ہوئی
تیرے عشق نے مجھے تھیا تھیا کر کے نچایا

چپ رہ کے گزارا کر

چپ رہ کے گزارا کر
سچ سن کر لوگ برداشت نہیں کرتے

سچ کہیں تو الجھ پڑتے ہیں
سچے کے پاس بھی نہیں بیٹھتے
سچ تو پیارے عاشق کو ہی شیریں لگتا ہے
چپ رہ کے گزارا کر

شرع کے مطابق سچ بربادی کا موجب ہے
اور عاشق کے لئے خوشی کا باعث
سچ کی بدولت ایک نئی دنیا جنم لیتی ہے
جیسے طریقت پر عمل کرنے والے کے لئے شرع
چپ رہ کے گزارا کر۔

عاشق سے چپ نہیں رہا جاسکتا
سچ اس کے لئے خوشبو کی صورت ہے
جیسے سہاگ کی مالا گوندھ رکھی ہو
چھوڑ دنیا جو سراسر جھوٹ ہی جھوٹ ہے
چپ رہ کے گزارا کر

مخلوق تو تماشے کے لئے آئی ہے

مخلوق تو تماشے کے لئے آئی ہے
آج کیا کیا ہے؟ کل کیا کرنا ہے؟
ہماری پوچھ گچھ شروع
کیاری میں ایسا کیا بویا
کہ کھیت چڑیوں نے اجاڑ دیا

ایک طعنہ تو محبوب کا ہے اور دوسرا دنیا بھر کا
ننگ و ناموس یہیں کے یہیں رہ جائیں گے
یہ پگڑی اتار کے زمین پر پٹخ دے

جوان کیا اور بوڑھے کیا سب
اپنی اپنی باری پر زمیں بوس ہو جاتے ہیں
کیا بی بی کیا باندی کیا لونڈی کیا دھوبن کیا بھٹھیاری بھی

بلھا محبوب کے دیدار کو جاتا تو ہے
مگر خود ہی بہانے بناتا ہے
طرح طرح کی مٹی سے طرح طرح کے برتن
گھڑ کے ان کی ٹھیکریاں بنا ڈالتا ہے

یہ تماشا دیکھ کے آگے چل پڑا
اور اگلا بازار دیکھ
واہ دربار میں کیا رونق لگی ہوئی ہے
مخلوق تماشا دیکھنے کے لئے آئی ہے۔

چرخے کی دستی ڈھیلی ہو گئی ہے

چرخے کی دستی اتنی ڈھیلی ہو گئی ہے
کہ کاتنا بھی ممکن نہیں رہا
تکلے میں بار بار بل پڑ جاتے ہیں۔
اب لوہار کو کون بلوائے
اے لوہار تکلے کے بل نکال دے

کہ تند بار بار ٹوٹ جاتی ہے
یہ گھڑی ہچکولے سے کھانے لگتا ہے
اور ایک انٹی بھی تیار نہیں ہونے پاتی
بیڑی باندھنے کے لئے رسی نہیں ہے
اور بائڑ گرفت میں نہیں آتی
چمڑیوں پر چکنائی نہیں ہے
اور ماہل میں سے عجیب عجیب آوازیں نکلتی ہیں
چرخے کی دستی اتنی ڈھیلی ہو گئی ہے
کہ کاتنا بھی ممکن نہیں رہا

دن جانے کب ڈھلے
اور محبوب اپنا مکھڑا مجھے دکھائے
ماہی تو بھینسوں کے ساتھ چلا گیا ہے
اب کاتنا کیسے بھائے
جس سمت ماہی اسی سمت آنکھیں
دل بھی بیلے کی طرف لپکتا ہے
سہیلیاں ترنجن میں کاتنے کے لئے بلاتی ہیں

مگر میرے لئے فراق کا ڈھول بجتا ہے

میری عرض تو یہی ہے کہ اب وہ مجھے آن ملے
مگر اس کے لئے کیسے وسیلہ بناؤں
بلھے! سو من سوت کات لیا ہے
کہ محبوب مجھے گلے لگائے
دن جانے کب ڈھلے
اور محبوب اپنا مکھڑا مجھے دکھائے

رانجھا رانجھا کرتی

رانجھا رانجھا کرتی اب میں خود ہی رانجھا ہو گئی ہوں
اب مجھے “دھیدو رانجھا” کہہ کر پکارو اور “ہیر” مت کہو

رانجھا مجھ میں ہے اور میں رانجھے میں۔ کسی غیر کا خیال ہی نہیں
یہ میں نہیں وہ خود ہی ہے جو اپنی دلجوئی خود کرتا ہے

جو ہمارے من میں بسا ہوا ہے ہماری ذات بھی وہی ہے
میں نے جس کے ساتھ سمبندھ کیا ہے اسی جیسی ہو گئی ہوں

لڑکی سفید چادر اتار پھینک اور درویشوں کی لوئی پہن لے
سفید چادر پر تو داغ لگ جائے گا، لوئی پر کوئی داغ نہیں ہوتا

بلھے مجھے تخت ہزارے لے چل، سیال میں میرا کون ہے
رانجھا رانجھا کرتی میں خود ہی رانجھا ہو گئی ہوں

روزے، حج، نماز اے ماں

روزے، حج، نماز اے ماں
مجھے محبوب نے آ کے بھلا دیئے

جونہی محبوب کی خبر ملی
منطق، نحو سب بھول گئے
اس نے لامحدود کے تار چھیڑ دیئے

روزے، حج، نماز اے ماں
مجھے محبوب نے آ کے بھلا دیئے

جب محبوب میرے گھر آیا
مجھے شرح وقایہ بھول گئی
ہر مظہر میں وہی نظر آتا
اندر باہر اسی کا جلوہ
بھولے ہوئے لوگوں کو کیا خبر

روزے حج نماز اے ماں
مجھے محبوب نے آ کے بھلا دیئے

عشق کی نئی سے نئی بہار

عشق کی نئی سے نئی بہار

جب میں نے عشق کا سبق پڑھا
دل میں مسجد سے خوف آیا
پوچھتے پوچھتے ٹھاکر کے دوارے جا گھسا
جہاں ہزاروں ناد بجتے ہیں
عشق کی نئی سے نئی بہار

وید اور قرآن پڑھ پڑھ کر تھک گئے
سجدے کر کر کے ماتھے گھس گئے
رب تیرتھ میں ملا نہ مکے میں
جس نے پا لیا یہ نور انوار اسی کے ہیں
عشق کی نئی سے نئی بہار

مصلے جلا ڈال لوٹے توڑ دے
تسبیح اور عصا وغیرہ چھوڑ
عاشق تو بلند آواز سے کہہ رہے ہیں
حلال ترک کر اور مردار کھایا کر
عشق کی نئی سے نئی بہار

ہیر اور رانجھے کا میل ہو گیا
بے خبر ہیر بیلے میں ڈھونڈ رہی ہے
جبکہ رانجھا محبوب اس کی بغل میں موجود ہے

ہوش ہی نہیں رہا ہوش سنبھال
عشق کی نئی سے نئی بہار

او یار مزید علم نہیں چاہیئے

او یار مزید علم نہیں چاہیئے
تجھے تو محض ایک "الف" درکار ہے

علم شمار میں کب آتا ہے
بیت جانے والی عمر کا اعتبار نہیں
تجھے تو محض ایک الف درکار ہے

او یار علم نہیں چاہیئے
او یار علم نہیں چاہیئے

پڑھ پڑھ لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیئے ہیں
چاروں جانب کتابیں ہی کتابیں ہیں
ارد گرد روشنی ہے اور اندر اندھیرا
اور اگر "راستہ" پوچھو تو اتہ نہ پتہ
او یار مزید علم نہیں چاہیئے

تو نمازوں میں بے شمار نفل پڑھتا ہے
اونچی آواز میں تیری اذانیں چیخیں معلوم ہوتی ہیں
منبر پر چڑھ کر وعظ سناتا رہتا ہے
تجھے اس علم نے خوار کر کے رکھ دیا ہے
او یار یہ علم نہیں چاہیئے

علم کی بنا پر نئے قضیئے
پیدا ہو گئے ہیں
آنکھوں والے اندھے ہو کر
رہ گئے ہیں
نیکوں کو پکڑ لیتے ہیں اور چوروں کو چھوڑ دیتے
ہیں
یہ تو دونوں جہانوں کے لئے
رسوائی ہے
او یار ایسا علم نہیں
چاہئے

پڑھ لکھ کر تو شیخ کہلواتا
ہے
الٹے سیدھے مسئلے از خود گھڑ لیتا
ہے
بے عملوں کو لوٹ لوٹ کر کھا رہا
ہے
اور جھوٹے سچے اقرار کرتا رہتا
ہے
او یار ایسا علم نہیں
چاہئے

ملا پڑھ لکھ کر قاضی
ہو گئے ہیں
(حالانکہ) اللہ تو علم کے بغیر بھی راضی ہو جاتا
ہے
مگر تمہاری لالچ روز بروز بڑھتی چلی جا رہی
ہے
تجھے اسی حرص نے خوار کر کے رکھ دیا
ہے
او یار ایسا علم نہیں
چاہئے

تو لوگوں کو مسئلے پڑھ پڑھ کر سناتا رہتا ہے
تیرا تو رزق بھی شک شبہے سے خالی نہیں
تو بتاتا کچھ اور ہے اور کماتا کچھ اور ہے
تیرے اندر کھوٹ ہے اور تو باہر سے سچا بنتا ہے
او یار ایسا علم نہیں چاہئے

جب میں نے عشق کا سبق پڑھا
تو گویا دریائے وحدت میں اتر گیا
بار بار بھنوروں کی زد میں بھی آیا
لیکن شاہ عنائت نے مجھے پار لگا دیا
او یار مجھے مزید علم نہیں چاہئے

کتے تجھ سے برتر ہیں

راتوں کو جاگتے ہو اور عبادتیں کرتے ہو
راتوں کو تو کتے بھی جاگتے ہیں
تجھ سے برتر ہیں

بھونکنے سے کبھی باز نہیں آتے
گندگی کے ڈھیر پر سو جاتے ہیں
تجھ سے برتر ہیں

اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتے
چاہے جتنے بھی جوتے پڑیں
تجھ سے برتر ہیں

بلھے شاہ! سفر کے لئے کوئی زاد سفر لے لے
ورنہ کتے تجھ سے بازی لے جائیں گے
تجھ سے برتر ہو کر

لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

بیٹی! ماں تجھے ہمیشہ نصیحتیں کرتی ہے
بے مقصد کیوں پھرتی رہتی ہے۔ ادھر آ
شرم و حیاء کو مت گنواء بیٹی
نادان لڑکی کبھی تو یہ بات سمجھ
اور کاتنے کی طرف دھیان کر

اس پگلی کو ہمیشہ نصیحت کرتی ہوں
اس معصوم اور سیدھی سادھی لڑکی کو
جب اکیلی جان پر کوئی مشکل آن پڑے گی
تو بار بار افسوس ہو گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

آج گھر میں نئی کپاس آئی ہے
تو فوراً بیلنا تیار کر لے
روئی بیل کر دھننے کے لئے لے جا
آنے والا کل ان کاموں کے لئے تمہارا نہ ہو گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

میکے میں تمہارا راج محض چار دن کا ہے
اسے کھیل کود میں مت گزار دے
بے کار مت رہ کوئی کام کر
اپنا گھر بار ویران مت کر
اور کاتنے کی طرف دھیان کر

تمہیں ہمیشہ میکے میں نہیں رہنا
نہ ہی ماں کے پاس بیٹھے رہنا ہے
بلاخر جدائی برداشت کرنا ہو گی
اور تم ساس اور نندوں کے بس پڑو گی
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

کچھ کات لے اور کچھ کتوا لے
تانی تان کر کچھ بنوا لے
اپنا جہیز رنگوا لے
تمہیں تب ہی پردھان سمجھا جائے گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

اپنے حسن اور جوانی کا مان نہ کر
سیلانی پردیس میں کب رہتا ہے
اس فانی اور جھوٹی دنیا کا
نام نشان تک نہ رہے گا
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

اک کٹھن وقت آنے والا ہے
سب رشتے ناطے ساتھ چھوڑ جائیں گے
اس مشکل وقت میں جو مدد کر کے پار اتارے گا
وہ بلھے کا سلطان (مرشد) ہے
لڑکی کاتنے کی طرف دھیان کر

کیسی توبہ

یہ توبہ کیسی توبہ ہے۔ یار ایسی توبہ نہ کر

زبان سے توبہ اور دل سے نہیں
تو ایسی توبہ کو ترک بھی نہیں کرتا
تم پر کسی غفلت نے پردے ڈال دیئے ہیں
خدا تمہاری مغفرت کیوں کرے
یار ایسی توبہ نہ کر

تو برابر دیتا ہے اور سوایا حاصل کرتا ہے
بلکہ ڈیوڑھے کے لئے بھاگتا ہے
جس کا یہ کردار ہو وہ مکمل مسلمان کیسے ہو سکتا ہے
یار ایسی توبہ نہ کر

جہاں نہ جانا ہو تو وہاں جاتا ہے
بیگانہ حق جھوٹ بول کر مار لیتا ہے
سر پر جھوٹی کتابیں اٹھا لیتا ہے
کوئی تیرا اعتبار کیا کرے
یار ایسی توبہ نہ کر

ظالم ظلم کرنے سے نہیں ڈرتے
اپنے کیے کی سزا خود ہی پاتے ہیں
یہ خدا کا خوف دل میں نہیں لاتے

اور یہاں وہاں دونوں جگہ خوار ہوتے ہیں
یہ توبہ کیسی توبہ ہے
یار ایسی توبہ نہ کر

گھڑیالی کو نکال دو

گھڑیالی کو نکال دو۔
آج محبوب سجن کے گھر آیا ہے
یہ گھڑی گھڑی گھڑیال بجاتا ہے
وصل کی رات کو کم کرتا جاتا ہے
اگر وہ میرے من کی بات پالے
تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑیالی کو نکال پھینکے
گھڑیالی کو نکال دو

ایک لا محدود ساز کی سہانی آواز آرہی ہے
مطرب کسی سگھڑ تان کا گیت چھیڑ
صوم صلواۃ اور دوگانہ نمازیں بھول گئی ہیں
ساقی نے نشے کا پیالہ دے دیا ہے
گھڑیالی کو نکال دو

سب دکھ دلدر دور ہو گئے ہیں
مکھڑا دیکھوں تو عجب نظارا دیکھوں
رات بیتی جا رہی ہے اس کا کوئی علاج کرو
دن کے آگے کوئی دیوار کھڑی کر دو
گھڑیالی کو نکال دو

بہتیرے ٹونے اور گنڈے کیۓ
بڑے سے بڑے عامل آئے
تب جا کے محبوب میرے گھر آیا
جی چاہتا ہے اب لاکھ برس اس کے ساتھ رہوں
گھڑیالی کو نکال دو

بلھے محبوب کی سیج بہت پیاری ہے
مجھے تو تیرانے والے نے تیرایا ہے
(میں کیسے بتاؤں) کیسے کیسے میری باری آئی
اب تو بچھڑنا محال ہو گیا ہے
گھڑیالی کو نکال دو

گھڑیالی کو نکال دو
آج محبوب سجن کے گھر آیا ہے

گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ سجن

سجن گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ
میں تیرے دیدار کی مشتاق ہوں

تیرے بغیر دیوانی ہوئی پھرتی ہوں
سبھی لوگ طنزیں کرتے ہیں
اگر یار دلجوئی کرے
تو کوئی فریاد کروں

سجن گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ
میں تیرے دیدار کی مشتاق ہوں

باندی بے دام بک رہی ہے
سجن مل لے زندگی یونہی گزرتی جا رہی ہے
میں تو ہجر کا ایک پل نہیں سہہ سکتی
کہ گلزاروں کی بلبل ہوں

سجن گھونگٹ کی اوٹ میں مت چھپ
میں تیرے دیدار کی مشتاق ہوں

میری ”بکل“ کے اندر چور

میری بکل کے اندر چور ہے
میری بکل کے اندر چور

سادھو! میں اپنی فریاد کسے سناؤں
میری بکل کے اندر چور ہے
جب وہ چوری چوری نکل بھاگا
تو جگ بھر میں شور مچ گیا
میری بکل کے اندر کا چور

یہ امر جس نے جان لیا بس اسی نے سمجھا
دوسرے سبھی شبہے میں پڑے رہے
سبھی جھگڑے اسی لمحے ختم ہو گئے
جب اندر سے کوئی اور نکل آیا
میری بکل کے اندر کا چور

عرش پر اذانیں دے دی گئیں
جو تخت لاہور تک سنائی دیں
شاہ عنائت نے جو کنڈیاں ڈالی ہیں
وہ ان کی ڈور چھپ چھپا کر کھینچ رہا ہے

میری بکل کے اندر چور ہے
میری بکل کے اندر چور

لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

سچ بولوں تو الاؤ بھڑک اٹھتا ہے
جھوٹ کہوں تو کچھ نہیں بچتا
جی ہے کہ اسے دونوں باتیں بھاتی ہیں
زبان سنبھل سنبھل کر کہتی ہے
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

اس آنگن میں پھسلن ہی پھسلن ہے
سنبھل سنبھل کر چلو کہ اندھیرا بھی ہے
اندر داخل ہو کر دیکھو کہ ہے کون؟
اور خلقت باہر کیوں ڈھونڈ رہی ہے
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

جس نے قلندر کا بھید پالیا
گویا اپنے اندر کی راہ کھوج لی
وہ ایسے سکھ مندر کا باسی ہے
جہاں کوئی اونچ نیچ نہیں ہے
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

ادب کی لازمی شرط یہ ہے
کہ خدا انسان کی صورت میں جلوہ گر ہے
سب کی یہی بات ہم جانتے ہیں
جو کہیں عیاں ہے اور کہیں پنہاں
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

ہم نے حقیقی علم حاصل کر رکھا ہے
جہاں حقیقی حرف بس ایک ہی ہے
باقی سب ادھر ادھر کی باتیں ہیں
خلقت نے خواہ مخواہ شور برپا کر رکھا ہے
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں

بلھے! محبوب تو سانس سے بھی الگ نہیں
اس کے بغیر سب بے حیثیت ہیں
لیکن ہمارے پاس دیکھنے والی آنکھ نہیں
ہمیں یہ جدائیاں اسی لئے برداشت کرنی پڑ رہی ہیں
لبوں پر آئی ہوئی بات رکتی نہیں۔

مولا آدمی بن کر آیا

مولا آدمی بن کر آیا

آپ ہی آہو، آپ ہی چیتا
اور آپ ہی شکاری
خود ہی مالک، خود ہی غلام
اور خود ہی بیچنے والا
مولا آدمی بن کر آیا

بازیگر نے کیا بازی کھیلی
مجھے پتلی کی طرح نچا ڈالا
میں اس گت پر ناچتا ہوں
جو محبوب نے سرتال کے ساتھ ترتیب دی ہے۔
مولا آدمی بن کر آیا۔

میں بھنگن ہوں

میں سچے مرشد کے دربار کی بھنگن ہوں

ننگے پاؤں سر کے بال میلے اور الجھے ہوئے
اور پیغام آیا ہے پار سے
تذبذب میں کچھ بن نہیں پڑتا
مجھے سنسار سے کیا لینا
دھیان کا چھاج، گیان کا جھاڑو
سب کام کرودہ جھاڑ دیتا ہے
چھاج پکڑتی ہوں تو حرص کو اڑا دیتی ہوں
اور مالگزاری سے جان بچ جاتی ہے
(بڑے بڑے مسئلے) قاضی جانے یا حاکم جانے
مجھے ان بیگاروں سے فراغت ہے
رات دن میں تو یہی دعا مانگتی ہوں
کہ دربار سے دور نہ کر دی جاؤں
میں سچے مرشد کے دربار کی حقیر بھنگن ہوں

کیا بھنگن اور کیا بھنگن کی ذات
ہر کوئی ہم سے دور بھاگتا ہے
کار بیکار کے بعد وہیں بسیرا کر لیتی ہوں
جہاں مرشد کا ڈیرہ ہے
بھنگن کی قسمت کا لاگ ہوتا ہی کیا ہے
اوڑھنی اور سرہانہ
مرشد جو بھی اپنے آپ دے دے

وہی گھر لے گئی
ہمارا مقدر تو پھٹا پڑانا لباس
بھوک یا پھر تازہ یا باسی روٹی
فاقے کی سختیاں بھیک کا کشکول
یہی ہماری روش ہے
خس وخاشاک اور جھاڑیاں تنکے
سرکنڈے ہی ہمارا کسب ہیں

میں سچے مرشد کے دربار کی حقیر بھنگن ہوں

مجھے عشق لگا

مجھے عشق لگا اک انوکھا
سب سے پہلے کا اور روز ازل کا

یہ نہ صرف کڑاہی میں تل تل کر ڈالتا ہے
بلکہ تلے ہوؤں کو بھی دوبارہ تلتا ہے

مرے ہوؤں کو دوبارہ مارتا ہے
دلے ہوؤں کو دوبارہ دلتا ہے

معلوم نہیں سوکھے گھاس میں کوئی چنگاری ہے
یا ایک بڑا کانٹا سا کلیجے سے آرپار ہوا جاتا ہے

بلھے! محبوب کا پیار انوکھا ہے
اسے کسی شے کے ساتھ ملایا نہیں جاسکتا

مجھے اک انوکھا عشق لگا ہے
سب سے پہلے کا روز ازل کا

ہندو نہیں‘ نہ مسلمان

میں ہندو نہیں نہ مسلمان ہوں
غرور تج کر ترنجن میں بیٹھتی ہوں

نہ سنی ہوں نہ شیعہ
صلح کل کی پرچارک ہوں

نہ میں بھوکی ہوں نہ سیر
نہ برہنہ ہوں نہ ملبوس

نہ رونے والوں میں ہوں نہ ہنسنے والوں میں
نہ اجڑے ہوؤں میں ہوں نہ بسنے والوں میں

نہ گناہ گاروں میں ہوں نہ پرہیز گاروں میں
گناہ ثواب کا راہ بھی نہیں جانتی

بلھے شاہ! (بات وہی ہے) جو من کو بھائے
(یہی وجہ ہے کہ) ترک اور ہندو دونوں کو تیاگ دیا ہے

میں کم علموں سے دور بھاگتا ہوں

میں ایک چوتھائی پڑھنے والوں سے
(کم علموں سے) دور بھاگتا ہوں

میرے (بظاہر) عالم فاضل بھائیوں نے
محض ایک چوتھائی پڑھ کر میری عقل گنوا دی ہے

اس لئے میں ایک چوتھائی پڑھے ہوئے
لوگوں سے دور بھاگتا ہوں

کم علموں سے دور بھاگتا ہوں

تو نہیں تو میں بھی نہیں

سجن! تو نہیں تو میں بھی نہیں
تو نہیں تو میں بھی نہیں

جھونپڑے کے سائے کی طرح
میرا من تیرے گرد گھوم رہا ہے
تو نہیں تو میں بھی نہیں

جب تو مجھے بلاتا ہے
میں ساتھ ہی بول پڑتا ہوں
پھر چپ نہیں ہو سکتا
تو نہیں تو میں بھی نہیں

جب سوتا ہوں تو
تو بھی ساتھ ہوتا ہے
جب چلتا ہوں تو
تو راستے میں ہوتا ہے
تو نہیں تو میں بھی نہیں۔

بلھے! محبوب میرے گھر آیا ہے
اس پر اپنی زندگی نچھاور کر دے

تو نہیں تو میں بھی نہیں اے سجن
تو نہیں تو میں بھی نہیں

شاہ عبداللطیف بھٹائی

(۱۷۳۲ء - ۱۶۸۹ء)

مترجم

ڈاکٹر ایاز حسین قادری

ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی

مرتبہ تاجل بیوس

شاہ لطیف بھٹائی
(۱۶۸۹ء-۱۷۵۲ء)

راشد متین

سندھی صوفیانہ شاعری میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مقام بلاشبہ بلند ترین ہے۔ بھٹ شاہ کے مقام پر دفن یہ عظیم صوفی شاعر نہ صرف سندھ کے عوام کے لئے آج تک منبع ہدایات ہیں بلکہ پاکستان بھر کے لوگ متفقہ طور پر انہیں سرچشمہ رشد و ہدایت خیال کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں شاہ لطیف کو سندھی ثقافت اور تشخص کے لئے بجا طور پر علامت کی حیثیت دی جاتی ہے۔ دنیا کے کسی خطے میں کوئی بھی شخص شعر و ادب یا صوفیانہ افکار و خیالات یا سندھی ثقافتی ورثے کے بارے میں تحقیق کرنے کا بیڑا اٹھائے تو وہ کسی بھی طور پر شاہ لطیف کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

شاہ لطیف ۱۶۸۹ء میں سندھ کے قصبے ہالہ میں پیدا ہوئے حصول تعلیم اور روحانی فیوض کے لئے بہت سے سفر کرنے کے بعد اور بہت سے صوفیاء کے درہائے دولت پر حاضری دینے کے بعد بھٹ کے مقام پر رہائش پزید ہوئے۔ شاہ لطیف کی بے پناہ شہرت کا سبب ان کی شاعری ہے جو سارے سندھ میں خشوع و خضوع کے ساتھ گائی جاتی ہے۔ اس کا تمام کلام "رسالو" کی صورت میں شائع کیا گیا ہے اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے "رسالو" تیس حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ موسیقی کی کسی نہ کسی "لے" سے موسوم ہے اور اسے علیحدہ علیحدہ "س"ر کا نام دیا گیا ہے۔ شاہ لطیف نے اپنی شاعری میں وادی سندھ کی معروف لوک داستانوں کو حقیقت مطلق تک رسائی کے لئے استعاراتی انداز سے بیان کیا ہے۔ اس طرح سسی پنوں سوہنی مہینوال اور عمر ماروی

وغیرہ کے قصے مختلف جہتوں اور صوفیانہ تجربات سے گذر کر خدائے مطلق تک رسائی کے حامل نظر آتے ہیں۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے بعض مورخوں کے مطابق ۱۷۵۲ء میں بھٹ شاہ کے مقام پر وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ ان کے لاکھوں عقیدت مند ہر سال انہیں خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ان کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور ان کے کلام سے دلوں کو منور کرتے ہیں۔

سر کلیان

اول اللہ علیم، اعلی، عالم کا مالک،
وہ قادر اپنی قدرت سے قائم ہے قدیم
وہ والی، واحد، وحدہ، رازق رب رحیم ہے۔
ثنا کرو اس سچے آقا کی، پہلے حمد حکیم کہہ کر
اس معبود برحق نے اپنے لطف و کرم سے تخلیق کائنات کی

تم جو وحدہ لاشریک لہ کہتے ہو،
محمدؐ کو دل کی گہرائی سے، سبب (تخلیق کائنات) سمجھو
پھر کیوں جا کے دوسروں کے آگے سر جھکاتے ہو

جس نے وحدہ لاشریک لہ کہا،
انہوں نے دل کی گہرائی سے محمدؐ کو تخلیق کائنات کا سبب تسلیم کیا
پھر وہ صحیح راستے سے نہیں بھٹکے

جن کو وحدہ نے ٹکڑے ٹکڑے کیا
اور الا اللہ نے دو حصوں میں کاٹا۔
کون بد قسمت ہو گا جو دھڑ دیکھ کر
ان جیسی منزل پانے کی خواہش نہ کرے گا۔

وحدہ لاشریک لہ وحدانیت کی پہچان ہے۔
جنہوں نے شرک کیا وہ گمراہ ہوئے

میری بیماری نے یہ اثر کیا
کہ محبوب کو بھی احساس ہوا
دار پر چڑھنے ہی سے فائدہ ہوا

دار بلا رہا ہے
اے سکھو! تم میں سے کوئی چلے گا؟
وہاں جانا پڑ گیا ہے
جہاں عشق کا نام لیتے ہیں۔

دار عاشقوں کو بلا رہا ہے
اگر تجھے وصل کی آرزو ہے تو قدم پیچھے نہ ہٹا
سر کو الگ رکھ کے
پھر عشق کی بات کرنا۔

دار عاشقوں کی زیب و زینت ہے۔
پیچھے ہٹنا ان کے لئے معیوب ہے
آگے بڑھنا ان کا شیوہ ہے
عاشقوں نے شروع ہی سے مرنا قبول کیا ہے

اے چھری! تیز مت ہونا
کند ہی رہنا
تاکہ میرے محبوب کے ہاتھ
تیرے قبضے پر اور زیادہ دیر تک رہیں۔

عشق کے راز کو عوام میں افشا نہ کرو
سینے میں یہ درد
خوش ہو کر پوشیدہ رکھو۔

جو پہلے گئے وہ مقتل کے پاس کھڑے ہیں
باقی سر کٹانے کے لئے تیار ہیں۔
سر کاٹ کر رکھنے سے کم شاید قبول ہی نہ ہو
دیکھتے نہیں چاروں طرف عشاق کے سر
زمین پر بکھرے پڑے ہیں؟
اس مے خانے میں قتل عام جاری ہے۔

اگر تجھے جرعہ مے کی آرزو ہے
تو پیر مغاں کے خم خانے میں جا
لطیف کہے خم مے کے پاس جا کر
کاسہ سر کو جھکا۔
یہ نشہ سر کی قیمت میں بھی سستا ہے۔
سرشاری، محبت سے سر دے کر مے دلی لے

اس مے کی قیمت سر ہے دولت نہیں۔
اگر تجھے مے کی خواہش ہے تو سر کٹانے کے لئے تیار ہو جا۔
یہ وہ مقام ہے جہاں مے خوار
خم مے کے پاس کاسہ سر دیتے ہیں۔

جن کا سر، دھڑ، جسم، دیگ میں پک رہے ہیں،
ایسے ہی لوگ مے کی تمنا کرنے کے مستحق ہیں
جہاں دیگوں میں جسم
پک رہے ہیں
اور جہاں کڑہائیاں گرم ہیں۔
وہاں طبیبوں نے زخم ہرے ہی رہنے دیے ہیں۔

میرے من میں عشق کی آگ لگا کر چلا گیا
مجھے یہ دکھ محبوب ہی نے دیا۔
طبیبوں کا مشورہ مجھے گراں گزرتا ہے۔

وہ پیار سے پوچھتے ہیں
کہ محبوب کا قرب کس طرح حاصل ہوتا ہے؟
عاشق اجل کے سامنے سر اونچا کر کے آتے ہیں۔
اپنی جان عشق کے نیزوں کے نیچے دے دیتے ہیں۔
ان کو سر کٹانے سے قرب اور مرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے

اے طبیب! مجھے دوا نہ دے۔ خدا کرے میں تندرست نہ ہوں۔
شاید وہ میری عیادت کو آئے۔

مجھے شفا دینے والے طبیب نہیں ملے
نادان چارہ سازوں نے مجھے مار دیا۔
ان نادانوں نے میرے جسم کو داغ داغ کر دیا۔

عاشق زہر پینے والے ہیں
زہر دیکھ کر بیحد مسرور ہوتے ہیں۔
وہ تلخ اور سم قاتل کے عادی ہیں۔
ان کو عشق ہو گیا ہے اور فراق نے ان کو فنا کر دیا ہے
پھر بھی وہ عشق کے راز کو
عام لوگوں میں افشاء نہیں کرتے۔

اگر تو تلخی (حنظل) سے احتراز کرتا ہے
تو مے کی آرزو نہ کر۔
جس کے پینے سے آدمی مر جاتا ہے
اگر یہ مے پینا ہے تو سر کی فکر نہ کر۔

سریمن کلیان

میں انگاروں پر سوختہ ہوتا رہوں۔
میرے قلب و جگر سیخوں میں آویزاں رہیں۔
جس کو چارہ گر لاعلاج تصور کرتے ہیں
اس کا علاج محبوب ہی کے پاس ہے۔

ان پروانوں سے جلنے کا حال پوچھو۔
جن کو عشق کے نیزے لگے ہیں۔
اور جو اپنی جان
آگ میں جھونک دیتے ہیں

خود کو پروانے کہلواتے ہو
تو الاؤ کو دیکھ کر پیچھے مت ہٹو۔
محبوب کے حسن کے جلوے میں
جذب ہو جاؤ تو سرفراز ہو گے
ابھی تو تم خام ہو کہ بھٹے کی آگ سے بے خبر ہو۔

پروانوں نے تہیہ کر لیا
اور آ کے الاؤ میں کود پڑے۔
وہ تابش آگ سے لرزاں نہیں ہوئے
سچ کی آگ میں جل گئے۔
ان بے چاروں نے اپنی جان قربان کر دی۔

جو عشاق یاد الٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوتے
ان کی روح ایک آہ کے ساتھ
قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے۔

عشاق کبھی آرام سے نہیں بیٹھتے۔
محبوب کے ایک طعنے سے
سہم جاتے ہیں۔

عشاق ایسے تو نہیں ہوتے
جس طرح تم تنومند ہو۔
وہ آستانہ محبوب پر جا کر
دن رات گریہ و زاری کرتے ہیں۔
دوسرا کوئی اور ایسا طریقہ نہیں جس سے وہ
محبوب کی جناب میں مقبول ہو سکیں۔

تمہارا حال تو یہ ہے کہ
ذرا سی چوٹ لگنے سے خون بہنے لگتا ہے۔
تو پھر چہرے پر محبوب کے وار کیسے برداشت کرو گے؟
پھر تم عشق کی ہوس کیوں کرتے ہو؟

جھانکنا تاکنا عشق کا شیوہ نہیں۔
محبوب کے آستانے پر دولخت کیوں نہیں ہو جاتے؟
ہنستے، کھاتے سوتے ہو
یہ عشق کا دستور نہیں۔

اے عاشق! آستانہ‘ محبوب سے وابستہ ہو جا
کبھی بددل ہو کر آستانے سے الگ نہ ہو۔

جب محبوب تجھ پر نظر عنایت کرے گا
تو تیرا دل باغ باغ ہو جائے گا۔
اے محبوب! ہم تو تمہارے بغیر نہیں رہ سکتے
تم کیسے رہتے ہو؟

اے عاشق! گزر گارہ محبوب پر بیٹھ جا۔
وہ خود تجھے مے خانہ کی شراب پلائے گا۔
قربت محبوب حاصل کر کے اس سے منہ نہ موڑنا

وہی آواز ہے‘ وہی گونج ہے
اگر تم یہ راز سمجھو۔
سننے میں دو (چیزیں) ہیں
مگر حقیقت میں ایک ہے۔

سر کھمبات

چاندنی رات، ہموار زمین، میدانوں کے فاصلے،
اے ناقہ! محبوب کی طرف گامزن ہو کر پیچھے نہ مڑ۔
ایسا عزم کر جو محبوب تک پہنچا دے

اے ناقہ! تساہل چھوڑ، تیز قدم اٹھا
مجھے وہاں جانا ہے جہاں میرا محبوب ہے
دوسرے اونٹ تولانا کھاتے ہیں
میں تجھے چندن کھلاؤں گا
اس طرح چل کہ آج ہی رات میں محبوب سے جاملوں

اے ناقہ! تساہل چھوڑ، تیز قدم اٹھا
محبوب کی طرف جانے والی
سیدھی راہ کو ٹیڑھا مت سمجھ
پریشان ہونا چھوڑ
چلتے چل کہ آج ہی رات محبوب سے جاملوں۔

ناقہ نہ گلے کے ساتھ جاتا ہے اور نہ "لانا" کھاتا ہے۔
اس کو عشق کا چسکا لگ گیا ہے
جس نے اس کو فنا کر دیا ہے۔
اب وہ سر کی پرواہ کیئے بغیر
راہرو جادۂ محبوب ہے۔

میں نے ناقہ کو روکنے کے لئے کئی زنجیریں ڈالیں۔
مگر وہ پھر بھی سب بندھنوں کے ساتھ
"لانا" کھانے کے لئے چلتا گیا۔
اے خدا تو اس کے دل میں پرہیز گاری کا خیال ڈال دے
"لطیف" کہے یا رب! تو اپنے لطف سے
اس کو ہدایت کی توفیق دے۔

سرسری راگ

جھوٹ کمایا، خدا سے کیے ہوئے عہد توڑے
میں سرتاپا گناہوں میں
ڈوبا ہوا ہوں
اے اللہ!
تجھے میرا سب حال معلوم ہے۔

جھوٹ مت کماؤ
گناہوں سے دور رہو
اللہ کو یاد کرتے رہو
دل سے بغض نکالو
خدا کو سچ پسند ہے
دل میں محبت کی شمع روشن کرو
ان باتوں پر عمل کرنے سے
تیرا سودا سپھل ہو گا۔

سامان وہ خریدو جو رکھنے سے پرانا نہ ہو۔
دوسرے ملکوں میں فروخت کرنے سے نقصان نہ ہو
یہاں وہی کچھ خریدو
جس سے وہاں منافع ہو۔

کشتی پرانی ہے
اس میں زیادہ سامان مت لادو۔
اس کی تہہ میں سوراخ ہو گئے ہیں
اطراف سے پانی آ رہا ہے۔
اے کاہل! کل کی فکر کر۔

جس کنارے کے بارے میں تم سنتے تھے
وہ آ کے تم نے خود سے دیکھا۔
"لطیف" کہے جب لوگ سوتے تھے
اس وقت تم نے اس کو یاد نہیں کیا،
غافل ہو کر "غوراب"
(۱) کو تم گہرے سمندر پر لے آئے۔
اس شکستہ (کشتی) کو طوفان سے محفوظ رکھنا ہے
جو رکھے رکھے پرانی ہو جاتی ہے۔

ناتوانوں کی کشتی
سمندر میں تیرے حوالے
اس کو اپنی نگہبانی میں
پور بندر
(۲) پہنچا دے۔

کشتی میں تھوڑا بہت سامان رکھ لو

اے غافل! غفلت میں مت رہ
نہ جانے کس وقت موجیں تجھ پر حملہ کریں۔
نیند تجھے کسی وقت بھی منجدھار میں ڈبو دے گی۔

اے ملاح! دو باتیں ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔
تو رات بھر مستول کے پاس سوتا رہا
صبح اس پار تجھ سے سب کچھ پوچھا جائے گا۔

---

(۱) کشتی (۲) بندرگاہ کا نام ہے

بندرگاہ کا نام

سب کام اللہ کے سپرد کردو۔
شک و شبہ دور کر کے
وجود باری کو دل سے تسلیم کرو۔
وہ قادر اپنے فضل سے
تمہاری ہر مراد پوری کرے گا۔

نیک آدمی کے ساتھ
نیکی تو سب کرتے ہیں۔
مگر تو ایسا ہے
جو بد کے ساتھ بھی نیکی کرتا ہے۔

یہ بیش بہا موتی انہیں پیش نہ کرو
جو ان کی قدر نہیں جانتے۔
یہ موتی جوہری کو دکھاؤ، جہاں بھی ملے۔
صراف جو سونے کی حقیقت جانتا ہے
وہ کھوٹ کو رد کر دیتا ہے۔

کانچ کی قدر ہے
موتی کی ناقدری۔
میری جھولی میں سچ ہے
مگر، پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

سر سوہنی

عقلمند آدمی ڈوبتے وقت جھاڑیوں کو پکڑتے ہیں۔
"لطیف" کہے جھاڑیوں میں کتنی شرم و حیا ہے۔
یا ساحل پر پہنچاتی ہیں
یا ان کے ساتھ خود بھی ڈوب جاتی ہیں۔

جھوٹ کمایا
خدا سے کیے ہوئے عہد توڑے
میں سر تاپا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں
اے اللہ! تجھے میرا سب حال معلوم ہے۔

جنہوں نے خدا کی عبادت کی
موجیں ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔
توبہ کے سہارے وہ طوفانوں سے گزر گئے۔
توکل کے ذریعہ آسانی سے سمندر پار کر گئے۔
منجدھار میں کامل کشتی بان ان کا مددگار ہوا۔

اے سوہنی! شریعت کا سبق اچھی طرح سیکھ۔
طریقت سے حقیقت کی منزل آتی ہے۔
معرفت سچے عاشقوں کا مقام ہے۔

سر سسی آبری

میں ونگار سے واقف نہیں
راہ میں مشکل دشت و صحرا ہیں۔
اے میرے سہارے! میرے محبوب!
میں منزلیں کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔
لعل "لطیف" کہے اے میرے سرتاج!
اس عاجز کی نگہداشت کر۔
یہ ناتواں بھٹک رہی ہے
اس کو راہ میں تنہا نہ چھوڑنا۔

میں ونگار سے واقف نہیں
اور میں نے اپنے ساتھ ذرا سا پانی بھی نہیں لیا۔
پہاڑ تپ کر مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے۔
"لطیف" کہے کمزور و ناتواں کو باد سموم جھلسا رہی ہے۔
اے ہوت! وہاں مدد کو پہنچ جہاں میں تنہا ہوں۔

ونگار میں گھنے درخت ہیں
جہاں زہریلے افعی رہتے ہیں۔
"عبداللطیف" کہے وہاں وہ سرگرداں و پریشان ہے۔
جہاں نہ عزیز و اقارب اور نہ قبیلے والے
وہاں اے رہبر! میری مدد کو آ۔

بے چاری نے پہلے ونگار دیکھا نہیں تھا۔
آدمیوں میں رحم و کرم نہیں تھا
ہر طرف کفر ہی کفر تھا۔
وہاں اس نے درد و غم کی خاطر
پنھوں سے دوستی کی۔

جو ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں
ان سے پنھوں کے اوصاف معلوم کر۔
ساری زندگی محبوب کو اپنے میں ہی تلاش کرتی رہنا۔

اے نادان! جہاں تو سمجھتی ہے
وہاں پنھوں نہیں ہے۔
پہاڑ کی طرف مت جا
تیرا وجود ہی ونکار ہے۔
وہ کوہ و صحرا میں نہیں
اس کا پتہ خود سے معلوم کر۔

اے سسئی! تو اپنے گھر کے کونے کونے میں تلاش کر۔
دور جا کے نہ بھٹک
تیرا دوست تو تیرے گھر میں موجود ہے۔

تیرا دوست تیرے گھر میں
واپس آ کے تلاش کر۔
عبث منزلیں کر کے خاوند کے لئے
آہ و بکا کر رہی ہے۔

ونگار کیوں جاتی ہو؟
ہوت کو یہاں کیوں نہیں تلاش کرتی؟
"لطیف" کہے وہ بلوچ کسی دوسری جگہ چھپا ہوا نہیں ہے۔
پنھوں سے پیار نباہ
اس کو حاصل کرنے کے لئے سعی و جہد کر۔
جھانک کے دیکھ تجھ میں ہی منزل حبیب ہے۔

جھوٹی محبت والیاں، یہاں ہوت کو تلاش نہیں کرتیں
کیچ کا پتہ پوچھتی ہیں۔
جن کا پنھوں سے عشق ہے
انہوں نے پیدل چلنا چھوڑ دیا۔

دل سے ہوت کی طرف چل
پاؤں سے چلنا بھول جا۔
قاصدوں والے طریقہ سے
تو کیچ نہیں پہنچ سکتی۔

دل سے ہوت کی طرف چل
پاؤں سے چلنا چھوڑ دے۔
ریگستان کا راستہ مت پوچھ
اے سسئی! روحانیت سے آگے بڑھ۔

دل سے ہوت کی طرف چل
پہاڑوں میں پریشان مت پھر۔
میں نے پہاڑی کیچ دھنی کو
اپنے وجود میں پایا ہے۔

دل سے ہوت کی طرف چل
اپنے وجود کو ساتھ لے کے مت چل
جن میں انانیت آگئی
وہ آریائی (ا) تک نہیں پہنچیں۔

آریائی: پنھوں کا قبیلہ مراد پنھوں

جو وندر جائیں گے
وہ تیاری کریں۔
جن کو جانا ہی نہیں ہے
ان کی تیاری کیسی؟

بے سہارا، بے یار و مددگار
ماندہ، ناواقف ہوں۔
"لطیف" کہے خاوند کے لئے
خون کے آنسو بہا رہی ہوں۔
جب میں بہ فرط اشتیاق ہو
توں کے لئے گریہ کناں ہوں۔
میں پنہوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔
اگر وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے
تو میں داسی بن کر رہوں گی۔

جب عزرائیل نے سوئی ہوئی سسئی کو جگایا
تو وہ یہ سمجھی
کہ کوئی پنہوں کا قاصد آیا ہے

جب منکر و نکیر کو سسئی نے دیکھا۔
تو ان سے پنہوں کا پوچھا۔
بھائیو! کیا یہاں سے میرے پیارے کا کارواں گزرا ہے؟

ورنہ عشق والیاں کب
سوتی ہیں۔
میں برباد ہو گئی‘ مہار کو روکو
میں مر گئی‘ ناقہ کو روکو۔
اے میرے حبیب! اس مسکین کی کٹیا میں تشریف فرما ہو۔
اے ساجن! تیرے بغیر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

تو نے جب دن کو اپنے آنگن میں
اجنبی شتروں کو دیکھا تھا۔
تجھے چاہئے تھا کہ سانجھ ہوتے ہی ان کی راہ پر جا بیٹھتی۔
اپنی چوٹی سے سلاسل کی طرح ان کو کس کے باندھ دیتی
تو وہ پنھوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔

تو نے جب دن کو اپنے آنگن میں
اجنبی شتروں کو دیکھا تھا۔
تب اپنے بالوں سے
ان کی ٹانگیں کیوں نہ جکڑ دیں۔

شتر‘ ویسے تو بلبلاتے رہتے ہیں
مگر میرے وقت پر خاموش رہے۔
جاتے وقت انہوں نے کوئی آواز نہیں نکالی۔
ان کی آپس میں ایسی سازباز تھی
کہ شتر اور شتربان خاموش رہے۔

انتظار کرتے کرتے جب سونے لگی
تو انتظار سے نیند نہیں آ رہی تھی۔
جاگتے جاگتے جن کے لئے سو گئی
وہ آئے تو بیدار نہ ہو سکی۔
بہنو! خطا ہوئی

اے غافل! تو سانجھ ہوتے ہی سو گئی۔
"لطیف" کہے تیرے کانوں نے
شتروں کے کوچ کرنے کی آواز نہ سنی۔
ان کو محبوب کا وصل کیسے حاصل ہو سکتا ہے
جو سانجھ سویرے ہی سو جاتے ہیں۔

جو مسہریوں پر پاؤں پھیلا کر سوئے۔
ان کو ہم نشین سوتا ہی چھوڑ گئے۔

بڑی غلطی کی جو پاؤں پھیلا کر سو گئی۔
اگر دوست کے دروازے پر بیدار رہتی
تو ان کے جانے کی آواز سنتی۔
تو آری جام کی نہ عزیز تھی نہ رشتہ دار۔
اے تیرہ بخت! پنھوں سے رشتہ جوڑ کر بھی
خواب غفلت میں پڑ گئی۔

سویرے ہی مردوں کی طرح منہ لپیٹ کر سو گئی۔
تو نے اپنی آنکھوں کو بیدار کیوں نہیں رکھا
قصور تیرا ہے
الزام کیچوں کو دیتی ہے!

اے پہاڑ! تو نے جو اذیتیں پہنچائی ہیں
جاناں سے کہوں گی۔
جب رات بھیگتی ہے تو، تو خوفناک ہو جاتا ہے
تیری راہیں پر خم ہیں۔
اچھا نہ کیا کہ نقش پائے محبوب کو گم کر دیا۔

اے پہاڑ! مجھے دکھ مت دے
میں پہلے ہی دکھی ہوں۔
یاد نہیں کہ کبھی مجھے
سکھ ملا ہو۔ رنج و غم بہت ملے۔

اے پہاڑ! جو دکھی ہیں
ان کو تسلی دینا چاہئے۔
ان سے ہمدردی ظاہر کرنا چاہیئے
جس کا محبوب چلا گیا ہو۔
اے پتھرو! تم کیوں اس کے پاؤں کو مجروح کرتے ہو؟

اے پہاڑ! دکھ کی وجہ سے
تیرے سامنے داستان غم بیان کی۔
حال زار سنا کر
میرا غم اور فزوں تر ہو گیا۔

دکھی اور پہاڑ
آپس میں مل کے آہ و فغاں کرتے ہیں۔
اپنا غم نہاں کسی کو کیوں کر بتائیں؟

جیسی بھی ہوں، بلوچوں کی کنیز ہوں۔

اس ادنی کی پنھوں سے ہمسری کیسی؟
ازل سے میری نسبت آری جام سے تھی۔
میں اس کی پاپوش کے برابر بھی نہیں ہوں۔
کیچوں کو کیسے فراموش کردوں۔

ہر حال میں بلوچوں کی کنیز ہوں
اسی نسبت سے سسئی کی شہرت ہے۔
وہ تو بیوی کو چھوڑ کر چلا گیا
پھر بھی یہ ہوت کی طرف جا رہی ہے۔

سر لیلا چنیسر

اے لیلا! تو چنیسر جام سے گھمنڈی ہو گئی۔
اس کو اپنا سمجھ کے لاپرواہ ہو گئی۔
کونرو نے تیرے خاوند
داسڑے کو اپنا لیا۔

اے لیلا! چنیسر سے نخوت نہ کر۔
اے نادان! خاوند سے کشیدہ رہ کر
تو نے زیاں کا سودا کر لیا۔
اے کم عقل! تو مغالطے میں پڑ گئی
اس لئے تجھے دوری حاصل ہوئی۔

چنیسر سے برتری کر کے
اے لیلا! خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا۔
یہ خاوند وہ ہے جہاں من و تو کا امتیاز نہیں چلتا۔
میں نے اس کے دروازے پر
بہت سی چہیتیوں کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔

سر عمر ماروی

جس دم میرے کانوں میں "الست بربّ" کم کی آواز پڑی
میں نے صدق دل سے "قالوابلیٰ" کہا۔
اور یاران وطن سے عہد و پیمان محبت کیا۔

کاخ اسیری میرا نصیب تھا
ورنہ اس قلعہ کی چار دیواری میں کیوں آتی؟
لوح محفوظ کا لکھا تھا جو پورا ہوا۔
مارو کے بغیر میرا جی یہاں نہیں لگتا۔
اے مالک! کنج قفس سے رہا کر دے
تاکہ ماروی اپنے مارو سے جا ملے۔

اے خدا ایسا نہ ہو کہ میں قید و بند میں مر جاؤں۔
میرا جسم رات دن زنجیروں میں مضطر ہے۔
پہلے وطن جاؤں، پھر مر جاؤں۔

فی الحقیقت وہاں سے شتر سوار قاصد آیا ہے۔
اور کہتا ہے کہ اپنے خاوند کو مت بھلانا اور مر نہ جانا۔
تو وہاں لوٹ کے جائے گی
تھوڑے دن اور قلعہ میں اسیر ہے۔

وہی دن اچھے تھے جو میں نے قید و بند میں گزارے۔
قصر و ایوان میں آنسوؤں کی جھڑیاں بندھ گئیں۔
وصل کی آرزو میں خستہ حال ہو گئی۔
میری محبت نے زنداں کو درخشاں کر دیا۔

سر سورٹھ

وائی

راجہ رائے ڈیاج نے خدا کے نام پر سر دے دیا۔
اپنی رانیاں اور راج چھوڑ کر چلا گیا۔
خدا کے نام پر سر دے دیا۔

وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوا،
اس کے من کی لاکھوں مرادیں پوری ہوئیں۔
خدا کے نام پر سر دے دیا۔

ساز بجا کر مغنی نے بھیک میں سر لے لیا۔
خدا کے نام پر سر دے دیا۔

بہنو! عبداللطیف کہے وہی با مراد ہوا۔
خدا کے نام پر سر دے دیا۔

"ایک جہان چھان مارا
کوئی سخی نہ ملا۔
سر دینے کا وعدہ تیرے سوا کسی نے نہیں کیا۔"

"سو سر رکھ کے (ساز کے) تاروں کے برابر تولوں۔
تو وہی پلڑا بھاری ہو گا
جس طرف بیجل نغمہ زن ہے۔
یہ تو صرف استخوان ہے
سر کا نذرانہ حقیر ہے۔"

نغمہ ہائے ساز پر سر دے دے
واپس نہ لوٹا۔
مجھے آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔

مرحبا اے سائل! تیری آمد کا راز میں سمجھ گیا۔
تو جو پہیلیاں بوجھ رہا ہے
مجھے اس کا ادراک ہے۔
جو میں تیرے کشکول میں ڈالوں گا
اسے قبول کر۔

تینوں مل کر ایک ہوئے
سر، چھری تار ہائے ساز۔
تو جو چل کے آیا ہے
سر دینا اس کی قیمت نہیں۔
غنیمت الحمد اللہ کہ سائل تو نے صرف سر ہی مانگا۔

وہ قیمتی ساز زور و شور سے بجنے لگا۔
راز سربستہ کہنے کے لئے
رائے ڈیاج کے حضور ساز کو چھیڑا۔
ڈیاج کا جوہر ذاتی آشکار ہوا
چھری نکالی اور کاسۂ سر میں گہرا اتار دیا۔

گرنار کا پھول ٹوٹ گیا
شہر میں نوحہ و ماتم بپا ہو گیا۔
سورٹھ جیسی سیکڑوں عورتیں
گریہ و زاری کرنے لگیں۔

سرکیڈارو

محرم کا چاند نظر آیا
شہزادوں کو فکر ہوئی۔
اللہ علیم ہے، جو چاہے وہ کرتا ہے۔

محرم لوٹ کے آیا
امام واپس نہیں آئے۔
اے خدا! مجھے ان مدینے کے شہزادوں سے ملا دے۔

امام مدینے سے گئے واپس نہیں آئے۔
اے رنگ ریز! میرے کپڑے کالے رنگ دے۔
میں ان کا ماتم دار ہوں، جو مسافر شہید ہوئے۔

یزید کو ذرہ برابر عشق سے آگاہی نہ تھی۔
امام نے ازل سے شہید ہونے کا پیمان کیا۔

دوستوں کو قتل کرواتا اپنے پیاروں کو مرواتا ہے۔
اپنے خاص دوستوں کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے۔
اللہ بے نیاز ہے، جو چاہے کرتا ہے۔
اس میں کوئی راز مکتوم ہے۔

گھوڑوں اور بہادروں کی زندگی قلیل ہوتی ہے۔
کبھی محلوں میں مقیم
کبھی میدان جنگ میں سر بکف۔

اے یزید! آل علی سے جنگ نہ کر۔

جو عزت تجھے حسین کی معیت میں حاصل ہوئی
وہ اور کسی طریقہ سے نہیں مل سکتی۔

وائے برحال رفقائے یزید،
جنہوں نے کل آل علی سے جنگ کی۔

کوفیوں نے اللہ کا واسطہ دے کے خط لکھے:
"آپ ہمارے حاکم ہیں اور ہم آپ کے تابع
آپ کوفہ آیئے ہم آپ کو امیر بنائیں۔"

کوفی پانی کو ترسا رہے تھے۔
شہزادے ‘علیؓ’ کو پکار رہے تھے۔
خیموں سے نکل کر کہہ رہے تھے
اے محمدؐ عربی! مدد دے۔

صبح دم میدان کربلا سے کبوتر آیا،
روضہ مصطفیٰ پر فریاد کناں ہوا
تلواروں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا ہے۔
اے محمدؐ عربی! مدد دے۔

اگر بوقت جنگ حسنؓ ہوتے۔
تو وہ اپنے بھائی کے اوپر پروانہ وار فدا ہو جاتے۔
اور کون ہے جو حسینؓ پر قربان ہو؟

دلیر بہادر حر لپک کر آئے اور کہنے لگے
حق کا پروانہ ہوں شوق سرفروشی لے کے آیا ہوں۔
تاکہ آپ کے ناناؐ نبی اور اللہ کے رسولؐ مجھ سے خوش ہوں۔
میرا سب کچھ آپ پر قربان ہو۔

حر کو ازل سے ہی ہدایت تھی۔
کہ اس طرف سے امام کی طرف آئے۔
آتے ہی کہا ”مولیٰ! جان نثاری کی تمنا ہے۔
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔
حتی المقدور ساتھ دوں گا۔“
حسینؓ کو بھی زخم لگے یہ شیر بھی شہید ہو گیا۔

ریش مبارک، خون سے گلگوں تھی
اندان، گلنار کی صورت سرخ تھے۔
میدان جنگ میں دستار، بدر کامل کی طرح پڑی تھی۔
محمد مصطفیٰؐ کے دربار میں وہ ماں کیوں نہ فخر و ناز سے مسکرائے۔
جس کا بہادر سپوت میدان جنگ میں لخت لخت ہو گیا۔

میدان جنگ کے سورما جہاد سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔
بہادروں نے امام کے لئے اپنے سر فدا کیے۔
”یجاھدون فی سبیل اللہ“ کے مفہوم کو پورا کر دیا۔
ان شہیدوں کے سروں پر حوریں سہرے باندھ رہی ہیں۔

حسن اور حسین کی جنگ کی خبر اکناف عالم میں پھیل گئی

چاروں طرف سے امام پر تیر برس رہے تھے
سید نے اپنے باپ دادا اور خود کو سرخرو کیا

شبیرؓ پر تین طبقوں نے ماتم کیا۔
گھروں میں آدمی، دشت و جبل میں جانور
اور فلک پر ملائکہ۔
طیور نے آہ و فغان کی کہ حسینؓ جا رہے ہیں۔
یا رب العالمین! تو شہزادوں کو سرخرو کر۔

جس کے سینے میں غم حسینؓ نہیں۔
خالق رب جبار اس کی بخشش نہیں کرے گا۔

کربلا میں کامل سید، بہادر شیر آئے
سیوف مصری سے لاشوں کے انبار لگا دیے۔
امام حسینؓ کا حملہ دیکھ کر
دلیروں کے دل لرزہ براندام ہوئے۔

حسینؓ کی مدد کو حسنؓ نہیں (ہیں)
اور نہ انصار و اعزاء ہیں۔
شہزادوں کا وطن دور ہے۔
اے یزید! اس لئے تو ان پر شدید حملے کر رہا ہے۔

سر سارنگ

بادل، گھر گھر کے آ رہے ہیں۔
"لطیف" کہے وہ دیکھو کالی بدلیاں
موٹی موٹی بوندیں پڑ چکی ہیں۔
چرواہو! مویشیوں کو باہر ہانکو!
ساز و ساماں لے کر، جھونپڑیاں چھوڑ کر
میدانوں میں پھیل جاؤ۔
اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

اللہ کی رحمت سے بادل چھا گئے ہیں۔
"لطیف" کہے وہ دیکھو کالی بدلیاں۔
بارش کے پانی کی کثرت سے میدان سرسبز ہو گئے ہیں
اللہ نے راہوں میں گھاس اگا دی ہے۔
اب کے جو مسرت بخش برسات ہوئی ہے
غریب آدمیوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

آج بھی شمال کی طرف تاڑے کی آواز آ رہی ہے۔
دہقانوں نے ہل تیار کر لئے ہیں۔
چرواہوں پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔
میرے یار (بادل) نے لباس باراں زیب تن کیا ہے۔

آج بھی شمال کی طرف بادلوں کے گرجنے کی آوازیں ہیں۔
موسمی بارش میں بجلی بہت چمک رہی ہے۔
اے میرے دوست! روٹھنا چھوڑ، لوٹ آ۔

آج بھی شمال کی طرف خضاب کی طرح کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔
بجلی، سرخ لباس اوڑھ کے کوندنے لگی ہے۔
میرا پیار جو پردیس میں تھا
برسات نے اس کو مجھ سے ملایا۔

اے بادل! خدا کے واسطے پیاسوں کو یاد رکھ۔
بیابانوں میں پانی کی بہتات اور اناج ارزاں کر۔
وطن کو سرسبز و شاداب بنا کہ مویشی پالنے والوں کو سکھ ملے۔

وہ عورتیں جن کے شوہر پردیس گئے ہوئے ہیں۔
بادلوں کو امنڈتا اور گھٹا ٹوپ اندھیروں کو چھایا دیکھ کر سہم جاتی ہیں۔
کہ کہیں شمال کی ہوا ان کی جھونپڑیوں کو تاراج نہ کر دے
کیونکہ اگر وہ گر جائیں تو وہ کس کو پکاریں گی۔
خدا کرے ان کے وارث (خاوند) واپس آ کے ان کی نگرانی کریں۔

اپنے شوہروں سے دور تنہا خواتین
بادلوں کو دیکھ کر اپنے شوہروں کو یاد کرتی ہیں۔
رعد کی آواز سن کے ان کے دل دہل جاتے ہیں۔
وہ بے چاریاں اپنے شوہروں کے بغیر سہمی سہمی سی رہتی ہیں۔

برکھا رت آئی، بادل چھائے
بدلیاں رواں دواں آئیں۔
اناج ارزاں ہوا
چاٹیاں مکھن سے بھر گئیں۔
کلمہ لا الہ نے دل کے زنگ کو دور کیا۔

اے میرے محبوب! اے میرے پیارے!
تجھے اللہ لائے گا۔
میرا دل مضطر تیری یاد میں
آہ و زاری کر رہا ہے۔

میرا محبوب ساون کی برسات کی طرح آیا۔
ان پر بارش ہوئی جو ساری زندگی یاد یار کرتے رہے۔

گھٹا گھنگور چھائی پھر بادل برسے۔
بجلیاں چاروں اور کوند رہی ہیں۔
کچھ بادل استنبول کی طرف، کسی کا رخ مغرب کی طرف ہے۔
کچھ چین پر لہرا رہے ہیں۔ کوئی سمرقند کی طرف رواں دواں ہے۔
کچھ روم پر رقصاں ہیں۔ کوئی کابل و قندہار کی طرف۔
کچھ دلی و دکن کی جانب اور کچھ گرنار کی طرف چھا رہے ہیں
کچھ جیسلمیر پر برس کر، بیکانیر پر یلغار کر رہے ہیں۔
کچھ بھج پر برسے، کوئی ڈھٹ پر پھیل گئے۔
کچھ نے عمرکوٹ سے ہوتے ہوئے ولھار پر موسلا دھار بارش کی۔
اے میرے رب! سندھ کو سدا شاداب رکھ۔
اے دوست! اے عزیز دلدار! سارے عالم کو آباد کر۔

من میں بھی غم واندوہ کے بادل

اور باہر بھی کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔
جن کے پاس محبوب ہوتا ہے
ان کی آنکھیں مشاہدے سے سیراب نہیں ہوتیں۔

شمال کی جانب سے اڑتے ہوئے بادل آئے اور چھا گئے۔
محبوب جو دور تھا برسات نے مجھے ملا دیا۔

آج بھی شمال کیطرف
خضاب کی طرح کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔
بجلی، سرخ لباس اوڑھ کے کوندنے لگی ہے۔
میرا پیار جو پردیس میں تھا
برسات نے اس کو مجھ سے ملایا۔

بادلوں میں برجوں کی طرح چوٹیوں کا دلفریب منظر ہے۔
بادلوں نے سارنگی، سرندے اور چنگ و رباب کے ساز چھیڑے۔
گزشتہ شب "پدام" کے اوپر ابر باراں کی صراحیاں انڈلی ہیں۔

بجلیاں کوندتی آئیں۔ برکھا کی رم جھم ہونے لگی۔
جنہوں نے گراں فروشی کے لئے ذخیرہ اندوزی کی تھی
وہ اب کف افسوس ملتے ہیں۔
سوچ رہے تھے پانچ سے پندرہ ہو جائیں گے۔
اے خدا!! ان موذی گراں فروشوں کو موت دے دے۔
پھر چرواہے آپس میں بیٹھ کر کثرت باراں کی باتیں کر رہے ہیں۔
"سید" کہے سب کو تیرا سہارا ہے۔

من میں بھی غم واندوہ کے بادل
اور باہر بھی کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔

جن کے پاس محبوب ہے ان کی آنکھیں
مشاہدے سے سیراب نہیں ہوتیں۔

سر آسا

لاانتہا میں جستجو کرتا ہوں
ہادی مجھے انتہا نہ ملے۔
حسن محبوب بیکراں ہے
ماورائے حدو ادراک ہے۔
عشق 'لامحدود ہے
محبوب بے نیاز ہے۔

انا سے حق اور حقیقت کی منزل کو نہیں پایا جا سکتا۔
ان اللہ وتر "ویحب الوتر" اس لئے شرک کو آگ لگادو۔
اے طالب! وحدانیت کے حضور
آنسوؤں سے اپنی خودپسندی دھولے۔

نابودی نے عبد کو بلند مرتبہ کیا۔
اس (عبد) نے ظاہر اور باطن میں
اپنے آپ کو مخفی رکھا۔
کیونکہ اس منزل پر سر حبیب عیاں نہیں کیا جا سکتا۔

مجھ پر آنکھوں کے بڑے احسان ہیں۔
رقیبوں کی طرف دیکھتا ہوں تو بھی جلوہ یار نظر آتا ہے۔

آنکھیں محبوب کے بغیر اگر کسی اور کو دیکھیں
تو آنکھیں طعمہ زاغ و زغن کردوں۔

ان نینوں نے صبح کا ناشتہ کیا
جنھوں نے صبح سویرے دیدار محبوب کیا۔
ان کے دل اور جسم و جان کو حج اکبر حاصل ہوا۔

ہر روز مشاہدہ کرتی ہیں
پھر بھی مشاہدے کو ترستی رہتی ہیں۔
مشاہدۂ محبوب سے ان کو دولت یقین حاصل ہوئی۔

آنکھیں ایک دوسرے کا گلہ شکوہ کرتی ہیں۔
جب سے عشق ہوا ہے
تب سے ایک دوسرے سے الجھ رہی ہیں۔

آنکھوں کی عجیب سی عادتیں ہیں۔
بزم محبوب سے میرے لئے دکھ درد لاتی ہیں۔
ان سے عشق کرتی ہیں
جن کو قتل کرنے کے لئے تیغ و سناں کی ضرورت نہیں۔

آسان راہ کی رہبری ہر ایک کر سکتا ہے
میری راہ مشکل ہے۔
میرے قدم طلب و جستجو سے آگے ہیں۔
میں نے وہاں دل لگایا ہے
جہاں ہست و نیست نہیں۔

بے عقل جاہل حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔
وہ خرافات بکتے ہیں۔
جن کی آنکھیں غبار آلود ہیں
وہ محبوب کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں۔

جن کا تن تسبیح، من دانہ تسبیح، اور دل یکتارا۔
جن کے انفاس نغمہ سرائے وحدت ہیں
وحدہ لاشریک لہ جن کی رگوں کا راگ ہے۔
وہ خفتہ رہ کر بھی جاگتے ہیں
ان کی نیند بھی عبادت ہے۔

سر ڈھر

آج اس امید پر اپنے صحن کو صاف کر رہی ہوں۔
کہ کوہ جبل میں کافی دن لگ گئے ہیں
شاید وہ واپس آجائیں۔

جتنا عظیم تیرا نام ہے
اتنا ہی بڑا مجھے آسرا ہے۔
اے خدا! تیرا فضل و کرم بے حد و حساب ہے۔
اے رب! تیرا نام میری روح میں سمایا ہوا ہے۔

جیسا پیارا تیرا نام ہے
اتنا ہی بڑا مجھے آسرا ہے۔
میں بہت سے دروازوں پر بھٹکا ہوں۔
مگر کوئی تیرے در کے برابر نہیں۔

اے رحم و کرم کرنے والے!
اس گناہ گار پر اپنی عنایت کم نہ کر۔
تیرے بغیر اس گناہ گار کو کوئی سہارا نہیں۔

اے خفتہ! بیدار ہو جا
اتنی غفلت کی نیند اچھی نہیں۔
شہنشاہی گراں خوابی سے نہیں ملتی۔

کچھ سو، کچھ جاگ
اتنی غفلت کی نیند اچھی نہیں۔
یہ عارضی ٹھکانہ ہے
تو اس کو وطن سمجھ رہا ہے۔

سونے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا
یاد حبیب کر۔
اے نادان! اگر رات خواب میں گزاری
تو بہت پچھتاؤ گے۔

گمراہ جھاگ دیکھ کر لوٹے
انہوں نے دودھ نہیں پیا۔
دنیا کے عوض دین گنوا کر مفلس ہوئے۔

کل تیرے ہم صفیر چلے گئے۔
پیاروں کے بغیر
جھیل میں رہ کر کیا کرے گی۔

دیکھو! پرندے آپس میں مل جل کر
کس طرح محبت اور پیار سے رہتے ہیں۔
مگر انسان نفاق و انتشار میں مبتلا ہے۔

کونج اپنے جھنڈ کے ساتھ رہنے کی عادی ہے۔
دوسرے پرندوں کے ساتھ دانہ نہیں چگتی۔
اپنے غول سے بچھڑ کر ساری رات
اپنے ہم صفیروں کو صدا دیتی رہی ہے۔

سر رامکلی

اس جہاں میں یوگی
نوری بھی ہے اور ناری بھی۔
جنہوں نے خود کو جلا کے عشق الٰہی کی آگ کو زندہ کر رکھا ہے
ان کے بغیر زندگی کیسی؟

میں ان کی تلاش اور جستجو میں محو ہوں۔
وہ تارک الدنیا چلے گئے۔
ان کی صحبت مجھے یاد آ رہی ہے
ان کے بغیر جینا کیسا؟

محو نالہ وفغان ہوں
آنکھیں طالب دیدار ہیں۔
ان کا سخن یاد آ رہا ہے
ان کے بغیر زندگی کیسی؟

کاپڑیوں کے قدم عالم لاہوت میں ہیں۔
ان کے سخن سے موتی جھڑتے ہیں
ان کے بغیر جینا کیسا؟

میں غفلت میں سویا ہوا تھا
مجھے عشق نے بیدار کر دیا۔
جنہوں نے مجھے بیدار کیا
ان کے بغیر جینا کیسا؟

ان کے آستانے دیکھ کر دل بے قرار ہے
نفیری نے مجھے قتل کر دیا ہے۔
محو گریہ و زاری ہوں
ان کے بغیر جینا کیسا؟

ان کے آستانے دیکھ کر
غم کی چنگاری بھڑک اٹھتی ہے۔
صبح دم کاپڑیوں کے ساز کی آواز نہیں آرہی۔
وہ جو راضی بہ رضا رہتے ہیں
ان کے بغیر جینا کیسا؟

ان کے آستانے کو دیکھ کر
وارفتگی میں محو نالہ و فغاں ہوں۔
وہ جو قلات چلے گئے
ان کے بغیر جینا کیسا؟

قریب رہ کر جلوہ یار سے محروم رہا
اس کا حسن و جمال لاثانی ہے۔
مجھے کوئی بھی ان جیسا دیکھنے میں نہ آیا
ان کے بغیر جینا کیسا؟

پہلے روز مجھے کاپڑیوں کے بارے میں
یہ معلوم ہوا کہ ایک پل بھی عشق سے الگ نہیں۔
ہمہ وقت مخمور نشہ عشق ہیں۔
"سید" کہے سنیاسی سدا محو یاد الہی رہتے ہیں۔
جوگی آدمیوں میں رہ کر خود کو چھپائے رکھتے ہیں۔

دوسرے دن میں نے بیراگیوں کا حال سنا۔
ان کے گیروا رنگ کے کپڑے گرد آلود تھے۔
ان کی جٹائیں دھول میں اٹی ہوئی تھیں۔
انہوں نے خود اپنے گیسو دراز کر لئے تھے۔
وہ اپنے وجود کی بات کسی سے نہ کہتے تھے۔
وہ تارک الدنیا اس حال میں مگن تھے۔
وہ آدمیوں میں رہ کر خود کو چھپائے رکھتے تھے۔

سنیاسی وارفتگی کے عالم میں
دنیا سے لاتعلق رہتے ہیں۔
بظاہر مشغول سخن، بباطن مشغول حق۔
جن کا دل غم عشق الہی سے ریش ہے
چلو ان کا آستانہ دیکھیں۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو ترک علائق کر
دل اس سے لگا جو "لم یلد ولم یولد" ہے۔
اس طرح تو محبت کے میدان میں
منزل مقصود تک پہنچے گا۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو مرشد کے ارشادات کی پیروی کر
بنگلاج کی طرف جاتے ہوئے ترک حرص ہوس کر۔
اے سوامی! بہ شوق فراوان محو یاد الٰہی ہو۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو خواہشات نفسانی کو مار
ہمہ وقت دل میں عشق کی دھونی رما
تسبیح و تہلیل کر
اللہ کی طرف سے آنے والے رنج و راحت پر
ضبط نفس کا مظاہرہ کر۔
راضی بہ رضائے حق ہو جا۔

اگر چاہتا ہے کہ یوگی بنے
تو جام نیستی نوش جاں کر۔
انا کو چھوڑ، فنا کو حاصل کر۔
تو اے طالب! تو وادی وحدت میں منزل مقصود پائے گا۔

یوگی اپنی ہستی کو مٹا کے راہ فنا اختیار کرتا ہے۔
اگر تو یوگی بننا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو مٹا۔
اے نادان! میری بات کان دھر کے سن لے۔

اپنے وجود کو نیست کر، خودی کو اپنے سر سے دور کر۔
میں تجھے بتاؤں کہ یہ جسم و جاں کا رشتہ فانی ہے۔

یا تو یوگی بن یا اس مسلک کو چھوڑ دے۔
اگر تو راہ کی مشکلات برداشت نہیں کر سکتا
تو کاہے کو کان چھدواتا ہے؟
یہاں سے بھاگ جا
ایسا نہ ہو کہ تیری وجہ سے دوسرے یوگی شرمسار ہوں۔

جو روٹی کے طالب ہیں
وہ یوگی جھوٹے ہیں۔
جو بندۂ شکم ہیں وہ بے مایہ ہیں۔

ظاہری کان درست نہیں سن سکتے۔
باطنی کانوں سے پیغام سن۔

سنیاسیوں کے قدم طور سینا پر ہوتے ہیں۔
"سید" کہے خرقہ پوش سجدہ میں رہتے ہیں۔
"فکان قاب قوسین اوادنی۔"
جوگی اتنا اللہ کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔
"کل من علیھا فان"
وہ خود کو زندگی ہی میں فنا کر دیتے ہیں۔

فاقہ مستی ان کی گدڑی کی زینت ہے
وہ فاقہ میں مست رہتے ہیں۔
بے نیاز طعام رہتے ہیں
تشنہ کامی ان کا شیوہ ہے۔

"لطیف" کہے لاہوتیوں نے
من کی خواہشات کو مار دیا ہے۔
سوامی نیستی کی منزل طے کر کے
حق سے قریب ہوئے۔

سر بروو سندھی

بندۂ غیر کیوں بنتا ہے؟
بندہ خدا بن، جو جگ کا والی ہے۔
اسی کو راحت ملے گی
جس کا اللہ سے عشق ہے۔

آج پھر آنکھوں نے ساجن کو یاد کیا۔
رخساروں پر آنسوؤں کی بوندیں نہیں تھمتیں۔
لوگو! حبیب کے دیکھنے کی پیاس دیکھے نہیں بجھتی۔

لوگ خدا سے مال و زر مانگتے ہیں
میں ہر روز حبیب مانگتا ہوں۔
میں دنیا کو حبیب پر قربان کردوں۔
جس کے ذکر سے ہی مسرت و شادمانی حاصل ہوتی ہے
اس کے دیدار کا کیا کہنا؟

جب میرا محبوب محو خرام ہوتا ہے۔
تو زمین بسم اللہ کہہ کے اس کے پاؤں چومنے لگتی ہے۔
حوریں باادب کھڑی ہو کر حیرت سے اسے دیکھتی ہیں۔
خدا کی قسم میرا محبوب سب سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔

لوگوں میں خلوص نہ رہا
ہر ایک دوسرے کا گوشت نوچ رہا ہے۔
دنیا میں صرف خوشبوئے اخلاق باقی رہ جائے گی۔
سب آدمی ریاکار ہیں
مخلص تو کوئی ایک ہی ہوگا۔

اللہ نے دوست سے ملایا
تجدید رسم و راہ کی بات چھڑی۔
آئین مہر و وفا یہ ہے
کہ ترک محبت نہیں کیا کرتے۔

سرکار ایل

اے ہنس! (سالک) تہ آب
لولوئے آبدار پانے کے لئے کیوں نہیں جاتا؟
لب آب کھڑے رہنے سے کیا فائدہ؟

ہنس وہیں ہوتا ہے جہاں عمیق پانی ہے۔
کنگ اتھلے پانی میں غوطہ زنی کرتا ہے۔

مور مر گئے
ایک بھی ہنس نہ رہا
جھیل جھوٹے کنگوں کا وطن بن گیا۔

سر پر بھاتی

اے سائل! آج تو کیوں پریشان خاطر نظر آتا ہے؟
کل کہاں تھا؟
"لطیف" کہے اے مغنی!
ادھر ادھر بھٹکنا چھوڑ دے۔
"سپڑ" کے در کا سوالی بن
تو تجھے بیش بہا دان ملے گا۔

فن ذات و نسبت کا محتاج نہیں
جو ریاضت کرے گا وہ پائے گا۔
"سپڑ جام" انجانوں کی التجائیں سنتا ہے۔
جو اس کے حضور شب بھر ریاضت کرتا ہے
وہ فرومایہ نہیں رہتا۔

اے سوالی! اس سے مانگ جو ہر روز دیتا ہے۔
دنیا کے چھوٹے دروازوں پر کیوں صدا لگاتا ہے۔
یہ دے کے کل تجھے طعنہ دیں گے۔

سر بلاول

جا بجا سرگردانی نہ کر
ایک تالاب کنارے سے سیراب ہو۔
سمہ کے راج میں جا
وہ تجھے عطا کرے گا۔
وہ سمہ جس نے ناداروں کو تونگر کر دیا۔
وہ جس پر نظر کرم کرتا ہے
اس کے دکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔

اے "جکھرا!" شاد باد
میں کانوں سے تیری برائی نہ سنوں
تو نے نالائقوں کو نوازا۔

"جکھرا" ہی قابل ستائش ہے
ویسے اور بھی مشہور سردار ہیں۔
جو عظمت "جکھرا" کو ملی ہو وہ کسی کو حاصل نہ ہوئی
اس نے ازل سے ہی یہ مقام بلند پایا۔

"جکھرے" جیسا اور کوئی، مجھے اس دنیا میں نظر نہیں آتا۔
وہ سارے نبیوں کا پیشوا ہے۔ اس کی شان نرالی ہے۔
فکان قاب قوسین اوادنیٰ
(ا) کا مقام اسے حاصل ہوا۔
یہ خدا کا احسان ہے جس نے ہمیں ایسا ہادی برحق دیا۔

دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ خدا اور اس کے درمیان رہ گیا تھا (مترجم)

جام درک

(۱۷۸۴ء ۔ ۱۷۱۴ء)

مرتب و مترجم

غوث بخش صابر

جام درک

(۱۷۱۴ء - ۱۷۸۴ء)

راشد متین

بلوچ صوفی شاعر جام درک جو کہ ڈومبکی قبیلہ کے سردار کرم خان کے صاحبزادے تھے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کی دوسری دھائی میں ۱۷۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ اپنی طویل زندگی میں انہوں نے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ وہ بہترین شاہسوار، تلوار باز، شکاری اور کھلاڑی تھے۔ ان کی شاعری ان کے لئے قدرت کا عطیہ تھی اور انہوں نے وقار، مرتبے، خودی اور اعلیٰ ترین عوامل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

وہ ناصر اول کے زمانے میں قلات آگئے اور اس کی سرپرستی میں مختلف علوم سے فیض حاصل کیا۔ شاہی خانزادے کے علاوہ عام لوگ بھی ان کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ ان کی شاعری میں عشق مجازی کے حوالے سے عشق حقیقی کی روحانی گتھیاں سلجھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ شاہی خانزادے کی کسی خاتون پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کی بہت سی شاعری اور گیت اسی امر کے غماز ہیں کہ وہ حسن فطرت کے ساتھ ساتھ اپنے کسی مجازی محبوب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اس عشق نے ان کی روح میں ایک آگ بھڑکا رکھی ہے۔

جام درک کی شاعری عوام الناس کے لئے شعری عطیہ کے علاوہ صوفیانہ اور روحانی قوتوں کی حامل بھی نظر آتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ استغراق کے عالم میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ اور اس عالم میں بے خودی کے بعد سرخوشی کے عالم میں جو شاعری تخلیق کرتے تھے وہ اعلی صوفیانہ اقدار کی حامل ہوا کرتی تھی۔ جام درک کی نظموں میں فی البدیہہ اور رواں طرز اظہار ساحل پر پھیلتی سکڑتی موجوں کی طرح معلوم ہوتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ روحانی تجربوں سے گزر کر وہ بنی نوع انسان کو حقیقت' مطلق تک رسائی کا راستہ بھا رہے ہیں انہی خصوصیات کی بناء پر بلوچی زبان میں ان کی شاعری بے حد مقبول ہوئی۔

اپنی عوامی ثقافت' روایات' اقدار اور طرز زندگی کو اپنی شعری تخلیقات میں اس قدر سمو دیتا کہ وہ حقیقت کے قریب تر نظر آئیں جام درک کا ہی کمال ہے۔ جام درک نے ۱۷۸۴ء میں انتقال فرمایا۔

کھلکھلاتی بجلیاں

شب رفتہ کھلکھلاتی بجلیاں......
مستانہ وار، لہراتی ہوئی شاداب آبادیوں کی جانب سے آئیں
(جنہوں نے) محبوب کی نشانیاں ہم تک پہنچائیں
ہم نے اپنے بدن پر پھولوں کا لمس سا محسوس کیا

دکن کی اور سے ایک دھنک ابھری ہے
جس کے گرد خوش رنگ بادلوں کا ہالہ ہے
بالکل ہماری محبوبہ کی اداؤں اور اطوار کی حامل ہے
میں دیوانہ ہوں دل سے الجھتا رہتا ہوں
دل دیوانہ ہے۔ مجھ سے الجھتا رہتا ہے

(یہ) سنہری رنگت والے بیٹے کی طرح ضد کرتا ہے
یا ظالم ترک بادشاہ کی طرح زیادتی پر مائل
گھنگھور گھٹاؤں سے زنجیر آسا زلفوں والی محبوبہ کا متلاشی
اس کا خواستگار جو سینکڑوں میں ایک ہے
مول میں جو ہزاروں اور لاکھوں کی ہے

ہم نے اپنا حال دل مرکب سے کہا
اس سبک رفتار دشت نورد نے صورتحال سے مطلع ہو کر
زامر جیسی اپنی دم اس نے مور پنکھ کی طرح پھیلا دی
اور اسے چابک کی طرح اپنی رانوں پر مارنے لگا

اے میرے آقا! جو بھنگ اور مشک کی خوشبو کا شائق ہے
جس کی دستار میں خراساں کی مشک کی خوشبو بسی ہوئی ہے
خدائے قادر حادثات سے محفوظ رکھے
میں آپ کو شام تک وہاں لے کر جاؤں گا

اس شاندار خیمے کے سامنے
جہاں آہو کی مانند وہ حسینہ رہتی ہے
جو سروقد، گہر رنگ اور خوش اندام ہے
جو لعل اور ہیرے کی مانند ہے اور یاسمین کی خوشبو سے معطر
جو ہرات کی مصنوعات میں ملبوس محو خرام ہے

آغاز گفتگو ہی میں عرض مدعا کرنا
دل مجبور کی افتاد بیان کرنا
اور وہاں بیٹھ کر دل کے دکھوں کو بہلانا
محبوب کے بدن سے گل یاسمین کی خوشبو پھوٹ رہی ہے

آپ خود عشق کے راز و نیاز سے باخبر ہیں
(کاش کہ) دوست ہمیں کوئی دوا عنایت کرے
اے گہربار گفتگو کرنے والے آجا کہ بہم ہم کلام ہوں
محبوب کے فراق کے غم و اندوہ کا تذکرہ کریں
دشمنوں کی آنکھوں میں دھول جھونکیں

میں اور تو

آج میرے دل کا عجیب عالم ہے
وہ آنکھیں جب میری جانب نگراں ہوتی ہیں
(اور) وہ زلفیں سنوار کر محو خرام ہے
محبت کی منزلیں طے کرنے کے لئے
(شوق نے) مجھے مرکب راہوار بنادیا ہے

دوست مہربان ہو تو میں دیوانہ نہیں
وہ خود ملتفت ہو تو (زہے نصیب) ورنہ میری کیا مجال ہے
ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا' اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

حق تعالیٰ کو اس پر جلال آئے گا۔
مگر میں کیا کروں
مجھے محبوب کے دکھوں اور غموں نے جلا کر بھسم کردیا ہے
میں ہجر کے ان دکھوں میں کسے اپنا ہمراز بناؤں

(اے دل) وہاں لے جا جہاں محبوب کا قیام ہے
محبت کے برج جہاں سینکڑوں سالوں میں تعمیر ہوتے ہیں
بند دریچوں کے پیچھے چادر تان کر سونے والی
دل سے پیار تو کرتی ہے بظاہر بددعا دیتی ہے
تمام مسلمان یقین کرلیں
میری روح اس کی قید میں محبوس ہے

جو جو گناہ اس گل کے لئے مجھ سے سرزد ہوئے ہیں
میں نے سواری کے جانور (تن خاکی) پر بھاری بوجھ لاد دیا ہے
وہ اس بوجھ سے سرتاپا دب کر رہ گیا ہے
ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا۔ اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

برق رعد موسلا دھار بارش کی بوندیں
دور دیس سے قطع منازل کرتے، اونچے برجوں سے گزرتے
اس طرح آتے ہیں جیسے طیور اور کبوتر اٹھلائیں
یہ مناظر تمہارے بدن کے گہنوں کا حسن دوبالا کرتے ہیں
نتھ، بول اور ڈاؤنی کی بہار
تاب حسن سے اوڑھنی اور ریشمی ملبوس سلگ اٹھتے ہیں

وہ خوشبو سے خود کو آراستہ کر رہی ہے
جسے دیکھ کر میں غموں کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہوں
رفیقو (ہمنشینو!) جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

اے منڈیر پر بیٹھنے والے طوطے!
خدا کا واسطہ ہے میرا سلام لیتا جا
(میرا سلام) محبوب کو گھر کی دہلیز پر جا کر دینا
خواہ دن کا وقت ہو یا پہر رات

وہ جو پھولوں کے ہار پروتی ہے
(کہنا) تو چودھویں کا چاند ہے تو میں رات ہوں
تو مہر نیمروز ہے میں (ڈھلتا) سورج

تو اونٹوں کا گراں قدر گلہ اور میں اس کا محافظ دستہ
تو فرش خاک‘ تو میں تیری چٹائی
تو ننگے پیر ہے تو میں تیرا پیڑار ہوں
تو سیاہ ناگ ہے تو میں تیرا جوگی ہوں
منتروں کا جاپ کرتا تجھے قابو کرلوں گا
ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا اب کچھ اور بیان کرتا ہوں

آج میان میں حمائل میری تلوار شادکام ہے
(کیونکہ) "جام" کے پہلو سے لپٹی ہوئی ہے
تیرے یہ قسم قسم کے طلائی گہنے

ہرنی کی مانند کٹورے جیسی تیری آنکھیں
تیری رعنائیاں زیوروں کی محتاج نہیں
اے گل اندام! تو طلائی زیورات سے بے نیاز ہے

محبوبہ اگر چاند کی طرح منارہ نور ہے تو میں شب تار
محبوبہ اگر چاند کی کرن ہے تو میں گھنگھور گھٹا ہوں
محبوبہ اگر لہراتی ہوئی تلوار ہے میں بوجھ سہارنے والا کندھا ہوں
ہمنشینو! جام کی فریاد سنو

یہ تو یہاں تک تھا اب اور کچھ بیان کرتا ہوں

"جام" کے جگر گوشے! یہ اشعار غور سے سنو
یہ حیات مستعار فانی ہے' دنیا خاک کا ڈھیر
حیات دوام کسی نے بھی نہیں پائی

تو حسین دلربا ہے میں تیرا شیدائی
باغوں کا تو منتخب پھل ہے
تو اگر نہیں آتی اس کا نتیجہ تجھے معلوم ہے؟
تازہ گفتار شاعر کا کیا حال ہو گا

"جام" کا بدن آتش فراق میں جل جائے گا
وہ کسی کام کا نہ رہے گا
عاشقوں کے لئے (فراق کی) ایک ایک گھڑی سال بن جائے گی
کیا تم مجھے نہیں پہنچانتے میں جام درک ہوں
جو ڈومبکی (قبیلے) سے بچھڑ گیا ہے

یاران ہمدم سنو

یاران ہمدم سنو
دوستو، دشمنو
شاہانہ مزاج رفیقو
میرا کلام سنو

میرے اشعار کے دفاتر (جن میں)
میں نے لعل جمع کیے ہیں
میں نے (ایسے) اشعار کہے ہیں
میں نے موتی پروئے ہیں

پرسوں صبحدم
دیکھی دلربا
روح کی مانند لطیف
حور شمائل
بستان کی بہار
انار کی لڑی جیسے دانت
مانند گل تبسم
ہنسے تو مروارید برسیں
اس کی نرگس آنکھوں سے

(یہ تو) آنکھوں کے لئے باعث زیاں ہے
(بلکہ) دل و جان کے لئے بھی

عالم خیال

شب رفتہ عالم خیال میں
میں نے اک خوش خرام محبوبہ دیکھی
ایسی مہہ وش چاند جسے دیکھ کر شرمائے
پرندوں کے وزیر طاؤس کی طرح ممتاز

اگرچہ محبوب ہم چشموں میں مثال شاہ ہے
اس کی ادائیں خود سرانہ ہیں
جو زیورات سے سجی بنی ہے
اور ماہ تمام پر طعنہ زن ہے
اس کی خوبصورت کل پر خوشگوار سایہ ہے
گل اندام ستاروں سے بھی سوا ہے

تاہم وہ جدا ہونے کے قابل نہیں
ہنس دے تو موتی جھڑیں
محو خرام ہو تو دھرتی فروزاں ہو
ہم نے خواب مسرت میں
محبوب کے ہونٹوں کا رس دودھ کی طرح گھونٹ بھر کر پیا

بیدار ہونے پر (مضطربانہ)

امیرانہ لباس اتار کر
کاسۂ گدائی ہاتھ میں لوں
در در پر ہانک لگاؤں
سوکھے ٹکڑے مانگتا ہوا

کتے کا ایک پلا ساتھ لئے
پوری تیز رفتاری کے ساتھ
محبوبہ کے حریر و مخمل کی پروا نہ کرتے ہوئے
اس کے در پر پہنچ کر درویشانہ نعرہ بلند کروں

محبوبہ خیمے سے باہر آئی
ہاتھ پونچھتی ہوئی
پردیسی فقیر نے کہا
میری جان مجھے غم فراق نے ہلاک کر ڈالا ہے

محبوبہ نے اپنے ہاتھوں کی نشانی دے دی
دل غمدیدہ کو قرار آگیا
چال میں طمانیت سی آگئی

زرہ کو کاٹنے والی تیغ جیسی زلفیں
آنکھیں سوہان کی طرح (دل میں اترنے والی)

گویا دو چراغ فروزاں ہیں
وہ باغوں کا خوشبو دار پھل ہے

ہاتھوں میں قیمتی جواہرات کی لڑی ہے
چہرے پر مروارید
انگشتری میں عقیق جڑا ہوا
طلائی ہار قابل نظارہ ہے
جو سانپ کی طرح بل کھایا ہوا ہے
ہاتھوں میں انمول فیروزہ

ہمارے دل پر تیری حکمرانی ہے
ہم سے اک پل کے لئے بھی پنہاں نہ ہو
ایک طرف سے مسرت‘ دوسری جانب سے ہم
آنکھیں آنکھوں سے ٹکرائیں
ہم نے پازیب کے بوسے لئے

ہموارہ چاند کی طرح دلربا
میرا مستانہ دل باغ باغ ہوگیا
ایک شاخ سے ہزاروں شاخیں پھوٹیں
ہر اک شاخ پر نیا پھول کھلا
پھولوں پر نکھار سا آگیا
گویا ہم نے (عشق کی) خونچکاں داستان پڑھ ڈالی

آنکھوں کو بصیرت نصیب ہوئی
عوارض کی دوا دیجیے
ہم آپ کے تابع فرمان ہیں
آپ کے ہار سنگھار اور زینت کے (مداح)

اے عشوہ طراز، کم کر عشوہ و ناز
کم کر تیغ و تیر کی بازیگری
یہ تیری قدرت سے باہر نہیں
کہ ہمارے سنگ ایک پیالہ تلخانہ نوش فرمائے

مطرب ساز طرب

صبحدم میں خدائے ستار کو یاد کرتا ہوں
روزی دینے والے داتا کو
دوستو میری باتیں غور سے سنو
"جام" کے موزوں کردہ اشعار

مطرب اپنا ساز اٹھا لے
خوشنوا تاروں کے آہنگ سے نغمہ چھیڑ دے
اور یہ نغمہ حاکم اور سردار کے ہاں جا کر سنا

ایک دن میں کسی کام کے سلسلے میں
ڈھاڈر کے متمول دربار سے گزرا
بازار میں میں نے ایک حسینہ دیکھی
جو کرتی اور دوپٹہ پہنے ہوئے تھی
گیسو زنار کی طرح شانوں پر ڈال رکھے تھے
پیچواں مانگ نکال رکھی تھی
ہونٹ گلنار کیے ہوئے
جن پر دنداسے کی پھبن تھی
ناک کٹار کی' مانند ستواں

باغ میں میں نے تین طوطیاں دیکھیں
تینوں ہمسر اور در آبدار تھیں
(وہ) پھول جو حکمران کے باغ میں کھلا ہے
سلطان کے سر و دستار کی زینت ہے

میں نے چاہا کہ انمول (محبوب) سے ملاقات ہو
محفل میں سائل بن کر بیٹھوں
معزز مجلس میں باریاب ہوں

جب ہم رو برو آئے
اس کی شوکت و سطوت دیکھی
دل غم دیدہ کو نئی زندگی ملی
عارض پر تازہ پھول کھلے
ہر شاخ کا اپنا الگ رنگ تھا

محبوب میرے دل کی حالت پا گیا
چہرہ عارض سمیت عطا کر دئے
جمال دل افروز دکھلا کر
میری روح سے (غم و غصہ کا) ناگوار بوجھ ہٹا دیا

دلربا محبوب

گزری رات میں نے اس دلربا محبوب کو دیکھا
جو حسینوں کا سرتاج اور سربر آوردہ ہے

دبی زبان سے میں نے عرض کیا
میری جان! یوں بے محابہ نہ گھوما کر
(ورنہ) تمہارے شمع رخ کے گرد پروانے سمٹ آئیں گے
اور اس طرح کئی عاشق جان سے جائیں گے۔

میں نے شکوک اور اوہام کے سارے قفل توڑ ڈالے ہیں
اور عشق حقیقی کو تسلیم کر لیا ہے
میں نے اس گلرخ سے کہا
وہ جو در گفتار اور ہزار ناز ہے
جس کی ہنسی میں پھول جھڑتے ہیں
اس شکر گفتار سے کہا
تیرے فقیر کی حالت یہ ہے کہ
دل فراق کے مارے زخم زخم ہے

جو مالک حقیقی سے محبت رکھتے ہیں
وہ منکروں سے بیزار اور متنفر ہیں
لباس سے بھی وہ خاکسار نظر آتے ہیں
اور آنحضرتؐ پر درود بھیجا کرتے ہیں
اور خالق کائنات کی حمد کرتے رہتے ہیں
سرما کی طویل راتوں میں
آدھی آدھی رات کو نالہ وفغاں کرتے ہیں

قول

آج میری محبوبہ وادی وادی دھمک رہی ہے
گویا وہ بدخشاں کا ایک لعل گراں بہا انت
(ایسا لعل) جو لاکھوں فلوس میں بھی ہاتھ نہ لگے

جواہر فروشو! میں ہی اس کا خریدار ہوں
جو خوشبوؤں میں بسی ہوئی معطر ہے
جس نے تیل پھلیل سے بناؤ سنگھار کر رکھا ہے
جو قیمتی ملبوسات میں ملبوس ہے
قصر ناز میں ایک تجلی سی مچل رہی ہے
نظر بد سے بچنے کے لئے (اس نے) نقرئی تعویز پہن رکھے ہیں

قامت رعنا پر شمشاد قربان
محبوبہ گل لالہ بلکہ مجسم گلستان ہے
جس کے روبرو سرو بستاں خجل ہے
(اس مہ وش نے) کئی چکوروں کو سرگرداں کر رکھا ہے

آپ سلطان ہیں میں آپ کی خاک پا ہوں
مجھے ہرگز بھلا نہ دینا
میں آپ کو کبھی بھی دل سے بھلا نہیں سکتا

میری یہ استدعا ہے جو آپ سے عرض کرتا ہوں
جو بخیل آدمی ہے اسے کوئی بھی اچھا نہیں کہتا
پہلے غریبوں کو خود سے امیدوار کرتا ہے
پھر خود کو پردے کے پیچھے چھپا لیتا ہے

بات قیمتی موتی کی طرح ہے
منہ سے نکلنے کے بعد ادنی پتھر بن جاتی ہے
قول و سخن اگر سنجیدہ ہو
پتھر کی طرح وزن دار ہوا کرتا ہے
طوفان باد و باران اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتے

قوم کی محترم شخصیتو اور باوقار حسینو
اے جنت کی حور میری عرض سن لے
اپنے عارض اور جبین سے نقاب الٹ دے
تاکہ میرے محترم ہو کر دل کے داغ دھو سکیں
تیرے ہاتھوں سے میری دنیا پاکیزہ اور پر سکون ہو سکے

تو میرے ہمراہ ہو تاکہ میں دل و جان سے تیری ستائش کروں
اور امن و امان سے اس منزل تک پہنچ جاؤں
جہاں ظالموں اور سنگدلوں کا خوف نہیں ہو گا

(۱)

سورج جب بادلوں میں مستور اور سایہ ابر ہو
جب بادل برسنے پر آمادہ ہوں
بادلوں سے دعائیہ عرض گزار ہوں

بادلو! جا کر شاداں و فرحاں نرمک پر برسو
تاکہ ندی، نالے اور سبزہ دلکش مناظر پیش کریں
بندات لبریز ہوں اور کوہستانی گڑھے پانی سے بھر جائیں
کونج جیسی محبوبہ صبح سویرے (سہیلیوں) کو لئے
کونجوں کی مانند کرلاتی کوہستانی حوض تک جائیں
ایک پہر گزر کر لوٹ آئیں
پھر کبوتر ان کے شانوں پر پرواز کرتے رہیں

تمہاری انگوٹھی اور انگشتری
سناروں نے اپنے ہاتھوں ڈھالی ہیں
زیور تیار کرنے سے پہلے سناروں نے خاصی محنت کی ہے
سونے کی یہ بالی کیسی بھلی لگتی ہے
جو ایک عالم سے خراج تحسین وصول کر رہی ہے
اے پری خود کو میرے بوس و کنار کے ڈر سے مستور نہ رکھ

پریوں کا جھرمٹ

پرسوں (ہم) سرسبز و شاداب بیلہ سے
سبک رفتار مہلورا کے ہمراہ روانہ ہوئے

"مہلو" رکاب پر پاؤں دھرنے نہیں دیتی
نہ ہی اپنے پاکیزہ پہلو اور رکاب کو چھونے دیتی ہے

علی الصباح گھر سے چلا
"ہکو بہی" (پہاڑ) کے مناظر دیکھنے کے لئے
پہاڑوں میں سے "ہکو بہی" قابل دید ہے

جس پر ابر خنک برستا رہتا ہے
شب و روز برفباری ہوتی رہتی ہے
دن ہو کہ تاریک راتیں
برف جھلملاتی رہتی ہے

سنہرے اور حریری تختوں پر
چٹانوں پر انگور پک چکے ہیں
لیموں اور دوسرے قدرتی پھل
طیور اور پرندوں نے چگ لئے ہیں
باز اور بھوکے کبوتروں نے

بزرگی کے 'مالک اصحاب اور عرشی فرشتو
بادلوں نے مجھ سے بڑا ہی دھوکہ کیا
(یہ طے کر کے کہ) "آج درک کو بھگوئے بغیر نہیں چھوڑنا
کرمو کے کشیدہ قامت بیٹے کو۔"

(بادل) بہم مشورہ کر کے متفق ہوئے
مجھے صحرا اور بیابان میں آن لیا
میرے ہاتھ کی کمان بھگو ڈالی
صندل کی لکڑی سے بنا میرا رباب (اور) جلترنگ بھی
ہرات کی خوشبو میں معطر میری دستار بھی

اب جو بادل چھٹ گئے
نم آلود ہواؤں نے رخ بدل دیا
میں نے عقاب کی طرح اپنا بدن جھاڑ لیا
شیر کی مانند انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوا

پریوں نے کوہ بامبور کی چوٹی پر
آگ روشن کر رکھی ہے
بلند چٹانوں کے قرب جوار میں
آسمانی مخلوق (پریاں) آ کر جمع ہو گئی
اور حلقہ سا بنا کر محو رقص ہو گئیں
چٹانوں پر عشوہ طرازیاں کرنے لگیں

میں نے آگے بڑھ کر چاہا کہ ایک کو پکڑ لوں
کچھ آگے بڑھا، قدرے پیچھے ہٹا
آسمانی (مخلوق) پریاں اڑ گئیں
اڑ کر بلندیوں کی جانب چلی گئیں
اونچی اڑان کے بعد دور جا بیٹھیں

(کہنے لگیں) ہائے رے دیوانے فقیر
دیوانے اور حیوان نما

وہیں رک جا۔ اپنی خاطر آزردہ نہ کر
ایسا نہ ہو کہ غصے میں خود پر جھلا اٹھے
ہم اس دھرتی کی مخلوق نہیں ہیں

ہم تو شہیدوں کے لئے مخصوص پریاں ہیں
جس دن تجھے شہادت نصیب ہو گی
اور تیرا کاروان ابدی منزل کو روانہ ہو گا
(اس روز) ہم نو عروس کی طرح زلفیں سنواریں گی
تیری راہگزر پر تیری منتظر رہیں گی
ہم تجھے اپنے پروں پر اٹھالیں گی
تیرے دل کی تشنگی بجھائیں گی
تیری قامت کو تسکین اور تمناؤں کو سیرابی بخشیں گی

میرے سجیلے ساتھیو! خوشی کے گیت گاؤ
جری اور سجیلے ساتھیو!
(دعا کرو) مجھے جلد از جلد شہادت نصیب ہو
تاکہ میں آسمانی پری سے شادی رچا سکوں
اور اپنے وجود کو گناہوں سے پاک کر لوں

خوشا نسیم بہشت

خوشا نسیم (سحر) تو بن پوچھے جنتی ہے
کیونکہ تو نازک اندام محبوبہ کی جانب سے آئی ہے

اس گل اندام کے عارض سے کھیلتی رہی ہے شب بھر
پوری طرح اس گوہر آسا چہرے کو شبنم سے نم کیا ہے

جب اس چاند کو شرمانے والے چہرے نے
قیمتی پردوں اور بچھونوں سے باہر جھانکا
تو نے اس کی زلفوں سے میٹھی مہک اڑالی

ہجر و فراق راتوں کو مجھے چرکے لگاتے ہیں
کیکر کی لکڑی کی تیز آنچ پر بری طرح جلاتے ہیں
میں اپنے محبوب کے خلوص و محبت کا سوچ کر
آدھی آدھی رات کو بیقرار ہو جاتا ہوں
اور اس ماہ رو کی خوشگوار محفلوں کی یاد میں تڑپتا رہتا ہوں

اس کے جی میں ہے کہ مجھ پر کوئی بھاری احسان کرے
عظیم اور بامعنی احسان
(مگر) حسینوں کے ناز صبر آزما ہوتے ہیں
کبھی نایاب اور کبھی فراواں
ٹھہر ٹھہر کر جسم و جان کو اذیتیں دیا کرتے ہیں

نہیں، میں محبوب کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا
بلکہ سپر کی طرح اپنی جان پیش کرتا ہوں
(اس کی) آنکھوں تازیانوں اور تیر و پیکان کے لئے

نہ یہ مجال ہے مجھ میں کہ عرض مدعا کروں
نہ یہ تاب و توان خود میں پاتا ہوں
کہ اس مہ لقا سے گفتگو کے لئے زبان کھولوں

اس دن کے لئے منتظر، چشم براہ ہوں
کہ خدا اس کے دل میں محبت جگائے
اور وہ حور شمائل طلائی تخت سے اتر آئے
مجھ جیسے (سمہ) سلطان مرتبت شخصیت کے طالع کے

مہ کامل کی طرح بلند ہو کر (چڑھ آئے)
شاہ اکبر کی طرح ہمارا رہنما بنے
اپنے گہربار دہن سے میرا حال پوچھے
سالہا سال دل میں گھر کئے ہوئے
غم ہجراں کی بابت دریافت کرے

بے خوابیوں اور شب بیداریوں کا حال پوچھے
درد کی ٹیسوں سے سکون کا سامان تو میسر آجائے

اے انمول لعل بدخشاں!
ہمیں آپ کے سر اقدس کی قسم
آپ کی شہد و شیریں صحبتوں کی آرزو میں
مجھ پر عجیب سی بیخودی طاری ہو جائے گی
اگر تمہارا سنہری چہرہ میرے خون بہا کے عوض میسر آسکے

سچل سرمست

(۱۷۳۹ء ۔ ۱۸۲۹ء)

مترجم

نصیر مرزا

سچل سرمست
(۱۷۳۹ء۔۱۸۲۹ء)

سچل سرمست

سچل سرمست جن کا اصل نام خواجہ عبدالوہاب تھا خیرپور سندھ کے علاقہ درازان کے ایک صوفیانہ گھرانے میں ۱۷۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں بچپن ہی سے صوفی قرار دیا گیا ہے ان کے آباء میں سے شہاب الدین، محمد بن قاسم کے ساتھ ارض سندھ پر وارد ہوئے۔ تھے سچل سرمست کے زمانہ میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت تھی بعد ازاں یہاں تال پور حکمران ہوئے اور سچل کی وفات کے وقت سندھ بتدریج برطانوی اجارہ داروں کے قبضے میں آرہا تھا۔ روایات کے مطابق کہا جاتا ہے کہ سچل کا نام سچ کی بناء پر اور سرمستی کی بناء پر سچل سرمست پڑا اور وہ سچل سرمست کے نام سے معروف ہوئے۔

تاریخ دانوں کے مطابق سچل کی شاعری ماضی کے تجربات اور مشاہدات کی بناء پر مخصوص فلسفیانہ افکار کی حامل نظر آتی ہے۔ بے پناہ طالعے اور سرکردہ مشائخ و علماء کی تربیت کے سبب سچل کو بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا انہوں نے سندھی، سرائیکی، فارسی، پنجابی اور اردو میں اعلیٰ پائے کی روحانی شاعری کی۔ سچل صوفی شعراء کی اس قبیل سے تعلق رکھتے جو "ہمہ اوست" کے فلسفے کی تقلید میں ہر شے میں خدا کے مظہر کو دیکھتے ہیں۔ سچل کی فکر کی اساس معروف فلسفی "عطار" کے نظریات پر مبنی ہے۔ ان کی شاعری میں "منصور حلاج" کے صوفیانہ تجربے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جسے کہ تنگ نظر علماء نے قابل گردن زدنی گردانا تھا۔ حلاج کا فلسفہ

سچل کی شاعری میں صوفیانہ استعارے کے طور پر جا بجا نظر آتا ہے۔ سچل کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت اس میں شامل غنائیت اور موسیقی ہے۔ تمام تر شاعری فکری گہرائی کے ساتھ ساتھ موسیقی کے اسرار رموز میں بھی رچی بسی ہوئی ہے۔ وہ مبلغانہ طرز تخاطب کی بجائے "من و تو" کے حوالے سے ذات مطلق کی نشاندہی نہایت سادہ اور رواں انداز میں کر دیتے ہیں۔

سچل سرمست کا وصال ۱۸۲۹ء میں ہوا۔

(۱)

پہلے توڑ دے سب
بندھن خام خیال کے
حاصل ہوگی تب
حیرت تجھے حلاج کی

(۲)

ہر جا حکم چلائے جو
ایسا بن انسان
صورت سے پہچان
دیکھ کے یار تو صورت کو

(۳)

گر تو جانے ”آپ“ کو
میں ہوں کوئی ”اور“
”دوئی“ تجھ کو لے ڈوبے گی
مورکھ! کر لے غور

(۴)

بندھن سب تعظیم کے
توڑ کے چل انسان
نوبت انا الحق کی
بجا علی الاعلان

(۵)

جسے تو جانے موج وہ ہی تو ہے مہران
یہ ہیں ان کے اوج
سولی کی جو راہ چلیں

(۶)

کفر و دین دلوں کے دام
یہ موجوں میں ڈالدے
ان کے بعد ترے احکام
ہر جا چلیں جگ میں

(۷)

پیچھے سے محبوب کو
سجدہ ہے بیکار
سجدہ روا اسی سمت
جس رخ چہرۂ یار

(۸)

جان نہ تفاوت
عبد اور اللہ میں۔
یہ بھی تو امرت
وہ بھی خدا نہیں اس سے

(۹)

جو یہاں موجود ہے
وہ ہے وہاں موجود
گرنے سے دیوار
ہیں ایک شاہد و مشہور

(۱۰)

گمراہی سے ہی ہوتی ہے
قدر ہدایت کی
بن گمراہی کب ملتی ہے
نظر ہدایت کی

(۱۱)

جہاں ہجوم ہے انسانوں کا
وہاں نہ میں جاؤں
سر سجا کر اپنا یارو!
راہ حلاج کی لوں

(۱۲)

ہے جو عقیدہ عام کا
وہ میں نہیں مانوں
یارو! میں وہ ہوں
بندہ کسی کا جو نہیں

مجھ سے ہوئی اب بھول
خود کو سمجھا آدمی
دور ہوئی جب بھول
میں سامیں تو خود ہوں

(۱۴)

جیسا خود کو سمجھا تھا
ویسا ہی میں تھا
بچو مجھ صاحب کا
رہ گیا ہے نام بس!

(۱۵)

اس کو پاگل مت کہو
پاگل خلقت ساری
اس پاگل کو چیز ملی جو
قسمت کہاں ہماری

(۱۶)

چپ بیٹھوں مشرک کہلاؤں
بولوں تو میں کافر ہوں
بچل جو بھید کی بات ہے
کس کس کو سمجھاؤں

(۱۷)

میرے من میں آگ عشق کی
تو نے ہی بھڑکائی
آہ و فغاں کی صورت میں
تیری یاد لبوں پر آئی

(۱۸)

جن کی دکھ سے یاری
ان کا ملے نہ کہیں نشان
قسمت سے ہی دکھ ملتا ہے
سب کا بخت کہاں؟

(۱۹)

جیون دکھ کے سنگ بسر کر
جب تک جینا ہے
پریتم سے جو بول بندھا ہے
اُس کو پانی دے

(۲۰)

جن کی دکھ سے پکی یاری
منہ ان کے مشعل
ان کے دکھ کی بپتا جانوں
بات بڑی مشکل!

(۲۱)

اک تجھ کو میں "ہوت" نہ بھولوں
بھولے سب سنسار
موت سے بھی آنکھوں میں
تو سدا بسے دلدار

(۲۲)

تجھ کو کیسے بھولوں پریتم!
بھولے سب سنسار
تیرے سنگ ہی میری ہستی
دور نہ ہو دلدار

(۲۳)

سن لے میری بات پیا!
تجھ کو ہی چاہوں
تیرے سنگ چلوں
جگ روٹھا تو کیا ہوا؟

(۲۴)

جب تک ان کو ملوں نہ مادر!
موت نہ آئے راس
رہے گی مجھ کو موت سے تک
پیا ملن کی آس

(۲۵)

وہ جو باسی ‘کیچ’ کا
کاش وہ آئے پاس!
لے آئے کوئی یار کو
من میں پھوٹی آس

(۲۶)

منزل پر مرنا سیکھو
اس پر جیون قربان
عاشق پیچھے کب ہٹے
دے بڑھ کر اپنی جان

(۲۷)

ابھی تو کل وہ جدا ہوئے ہیں
ابھی تھے میرے پاس
سکھ سب چھن گئے، میرے من کا
آنگن ہوا اداس

(۲۸)

”لوئی“ اوڑھ کے دلہن بنی میں
اپنے لوگوں میں
ان پر واروں ہیرے موتی!
جان بھی دیدوں میں

(۲۹)

جیسی تھی “ملیر” میں
ویسی رہوں یہاں
پر وہ بات کہاں؟
قیدی ہوں زنداں میں

(۳۰)

پاس رہیں وہ میکے والے
رہیں نہ مجھ سے دور
بن ان کے کیا جینا مرنا!
اب تو ہوں مہجور

(۳۱)

عمر! بنا میکے والوں کے
میں بدصورت ہوں
لوئی ان کی نشانی
ہردم اپنے سر پہ رکھوں

(۳۲)

ملک “ملیر” کی سمت سے آج
ایسی چلی ہوا
جیسے قاصد لینے آیا
میں نے یہ سمجھا

(۳۳)

سدا رہیں خوشحال
مارو دیس ملیر میں
کوئی دکھ ملال
آئے نہ ان کے جیون میں

(۳۴)

ترے رنج نے چھری بنا
مجھ کیسے رکھ دیا کاٹ
رانا! میری خوشیاں لے کر
گیا ہے تو کس گھاٹ!

(۳۵)

اب بھی باقی ہیں بیراگی
میں نے دیکھے کل
کیوں نہ ان کے سنگ گئی میں
روتی ہوں پل پل

(۳۶)

ہم تم دونوں ایک ہیں
ساجن! یوں ہیں بستے
بادل میں جوں بجلی سائیں!
جھلمل جھلمل چمکے

(۳۷)

سوانگ رچانے سکھیاں آئیں
ساون رت کے ساتھ
گرج گگن میں بجلی چمکے
باجیں راگ کے ٹھاٹھ

(۳۸)

مولا! آج تو جل تھل کر دے
اس برہن کا دیس
آن ملے گا برکھا رت میں
پریتم ہے پردیس

(۳۹)

مت سمجھو یہ بات سکھی ری!
بیت چلی برسات
تھوڑی دیر کو تھمی ہے یہ
پھر ہو گی برسات

(۴۰)

کان پھٹے تھے جوگی گزرے
باندھ کے آج قطار
ایسی بجا کے مرلی کر گئے
مست ہمیں تیار
ان کی بات نہ بھول سکوں گی
جیون کے اس پار

(۴۱)

رو رو کر وہ خون کے آنسو
کہتی ہے اے کاگا!
"تجھ پاؤں میں گھنگھرو باندھوں
چھم چھم تو چھمکا
سندیسہ ساجن سے لے کر
ساتھی، جلدی آ

(۴۲)

چن کر موتی، میں پنچھی کے
کروں مرصع پر
اڑ کر میرے پریتم کی
جو لائے خوب خبر
آئے میرے گھر
کرے بتیاں پریتم کی

(۴۳)

ساجن نے سندیسہ لکھ کر
کاغذ پہ بھیجا
پنہاں بات اسی میں ساری
اور نہ کوئی سمجھا

(۴۴)

کاگا ان کے پاس سندیسہ
ساجن کا لایا
پڑھتے پڑھتے اشکوں میں
وہ بھیگ گیا سارا

طوق علی مست

(۱۸۲۵ء۔۱۸۹۲ء)

مترجم

غوث بخش صابر

طوق علی مست
(۱۸۲۵ء-۱۸۹۲ء)

راشد متین

بلوچوں میں سب سے زیادہ محبت کیے جانے والے صوفی شاعر "طوق علی" مست جنہیں "مست توکلی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مری قبیلہ کی ایک شاخ درکانی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض مورخین نے محض قیاس کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ یہ ۱۸۲۵ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور اپنی شاعری اور صوفیانہ افکار کی بدولت بے پناہ عزت شہرت اور مرتبہ حاصل کرنے کے بعد ۱۸۹۲ء کے قریب جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

طوق علی مست بچپن ہی سے بکریاں چرانے کے پیشے سے منسلک تھے۔ اور انہوں نے ساری زندگی کبھی بھی کسی دوسرے پیشے کو اپنانے کے بارے میں نہیں سوچا اور کروفر کے ساتھ اپنے اس پیشے کا ذکر کرتے۔ شروع ہی سے انہیں عام بندوں میں انسان کی حیثیت سے تسلیم کیا جانے لگا تھا۔ اپنی سرگرداں طبیعت کی بدولت اور مست الست ہو کر حقیقت مطلق کی تلاش میں پربت سے پربت' وادی سے وادی ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک گھومتے رہے اور لوگ انہیں طوق علی مست کی بجائے توکل کرنے والا مست توکلی کہہ کر پکارنے لگے۔ انہوں نے سہون کے شاہباز قلندر' ڈیرہ غازی خان کے سخی سرور ملتان کے شاہ بہاالحق کے مزاروں پر اپنی اسی سیلانی طبیعت کی بدولت حاضری دی۔ حق کی تلاش میں دہلی بھی گئے اور معروف صوفیاء اور مشائخ کے آستانوں پر حاضری دی لیکن ان کی طبیعت تب بھی سیر نہ ہوئی اور انہوں نے مکہ اور مدینہ کا قصد کیا۔ اپنے تمام سفروں میں انہوں نے حقیقت اعلی کی تلاش کی جستجو ترک نہ کی۔ بلاخر روحانی صلاحیتیں اور قوتیں ان کا مقدر بنیں۔ اور انہیں لامحدود فطرت کے مقدس اور اعلی ترین مدارج کا شعور حاصل ہوا۔

ان کی تمام نظمیں خداوند قدوس کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہیں اور فطرت کی تعریف توصیف کے بعد "سمو" کے حسن بیان پر ختم ہوتی ہیں۔ جسے وہ استعارے کے طور پر اپنا واحد مدعا بیان کرتے ہیں۔ ان کی شاعری بلاامتیاز رنگ و نسل اعلی و ادنی سبھی میں بے پناہ مقبول ہوئی ان کی شاعری میں مسکتی محبت کی نہ مرنے والی ایک ایسی آگ روشن نظر آتی ہے۔ جو عامیانہ جذبات یا مصنوعی زبان کی محتاج نہیں۔ وہ بلوچوں کے لئے ان کے دل کی آواز اور ان کی روایات و اقدار کے امین نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام و خاص انہیں بلوچستان کی بلبل کا خطاب دیتے ہیں۔

لیموں کا پیڑ

میرا محبوب کوہ جاندراں پر اگے ہوئے لیموں کا ایک پیڑ ہے
جو دشوار گزار گھاٹیوں اور چٹانوں کے سائے میں بڑھا ہے
وہ ابر بہار کے خدو خال لئے ہوئے ہے
ہوا کے خوشگوار جھونکے کی طرح لہراتا ہے
اس کی شاخیں زامر کے بیل کی طرح پھیلی ہوئی ہیں
اور (ان کے) پتے محبوب کے چہرے کی طرح طلائی لگتے ہیں
اس کا انگ انگ پتلی کمر کی طرح ہے
اور اعضا تیغ آبدار کی طرح تندو تیز ہیں
اس جوہر دار تیغ کی طرح جس کے مالک اسے بڑے حوصلے سے اٹھاتے ہیں
تاکہ وہ یزیدوں سے نبرد آزما ہوں

میکائیل بادلوں کا ناخدا ہے
بوندوں کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے
مہربان ہو تو چمن پر مینہ برسائے
جس سے آرزو مندوں کی آرزوئیں پوری ہوں
دریا کے لہروں کی باگ کھلی چھوڑ دے
تاکہ وہ ساون کے سیلاب کی طرح امڈتا ہوا آئے
اور میرا محبوب نزہت گاہ شاہی میں پھول کی طرح کھل اٹھے
پر اسرار طوطیوں کی مانند سبز رنگ میں بسے
میرا محبوب آج ایک نئے انداز سے جلوہ افروز ہے
اور مست کی یادوں میں ڈوبا ہوا ہے

ترا رعب اور جلال دیکھ کر
دل پر جلیل و قہار خدا کا خوف طاری ہو جاتا ہے
کچھ تو (اپنے اعمال کے باعث) ازل ہی سے گرفت میں ہیں
جبکہ کچھ تیری رحمتوں سے فیضیاب ہیں
میرے اور میرے محبوب کے درمیان ایک باریک پردہ حائل ہے
آنکھیں فرط محبت سے اشکبار رہتی ہیں
میری تمنا ہے کہ مجھے دیدار حق کا پاکیزہ شربت مل جائے
وہ شربت جس سے دو رنگوں کے شیشے لبریز ہوں
وہ (شربت) جو شاہ (مردانؓ) کے دونوں بیٹوں نے نوش فرمایا
پتلے کاغذی ہونٹوں سے ایک جام کی آرزو ہے

راہ خدا میں ایک جام
دیوانے کی نیت کا ایک جام
تاکہ یہ ناؤ نوش ہمارے دروازۂ دل پر دستک دے
گھنوں میں ملبوس و مزین محبوبہ کی چھپر تلے منتظر ہوں
حضرت لال (شہباز قلندر) کے روضہ پر حاضری دیتا ہوں

قائم قدیم ذات

ہر کوئی فانی ہے صرف اسی کی ذات کو بقا ہے
جب کوئی خود کافی ہو تو کسی اور کو کیا خاطر میں لائے
میں محبوب (رسول پاکؐ) کی نورانی چادر کی پناہ میں ہوں
اپنی مہربانی اور نظر نیک کی رحمت سے توجہ فرما
تو لاشریک اور پاک ہے بے پناہ گناہوں کا نظر انداز کرنے والا
تیری قدرت کامل ہر شئے کو محیط ہے
ایسا بادشاہ جو رفعت پناہ بلند اور بے مثل ہے
تو ہی ہر حال میں میرا مالک اور وارث ہے
میری سفارش تو ہی ہے جو بے نواؤں کا بھی پروردگار ہے

خطا کی بنیاد جد (حضرت آدم علیہ السلام) سے پڑی ہے
اگرچہ مقدر جو چکا تھا حق تعالیٰ کی بارگاہ سے
میں اس روز کے لئے احسان مند (اور مدح حواں) ہو
کہ تو نے شاہ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج پر بلایا
دو طرح کے فرشتوں کا نزول ہوا تھا
اپنے پیارےؐ کو پیغام پہنچایا

(عروج کے موقع پر) یوں لگتا تھا کہ توانا بیلوں کے نر بچھڑے جتے ہوئے ہیں
یا پھر تنومند اور بے پروا، جوان اونٹوں کی رفتار تھی
ایسے قوی، لاطمع اور دردمند مرکب تھے
تیز رفتار کشتی کی طرح (ہوا میں تیرتی ہوئی)
چشم زدن میں منزلوں پر منزلیں طے کیں اور ملکوں کے حدود سے گزرے
اور باغ ارم میں ساکن ہوئے
بارگاہ رحمت سے کچھ بخشش لائے
اور اس لال کے پتن پر لا کر نچھاور کر ڈالی
مست اس کیفیت کے شوق میں بدمست ہے

روح سے اس کرم کی لہریں بڑھ بڑھ کر ٹکرا رہی ہیں
عرش، کرسی اور اکبری عنایات کی خبر لا رہی ہیں
ایسے میں ایک سن رسیدہ بزرگ سے مدبھیڑ ہوئی
اداؤں کا شہر ابدالوں کا مسکن ہے
ہماری جنگ تاملان حسین علیہ السلام سے ہے
ہم حضرت امام جسین علیہ السلام کے گروہ سے ہیں
مست محبوبؑ کے پیاروں کے ساتھ ہے

شاہ (مردانؓ) کے کاروان اور تیغ ہائے آبدار
حضرت کا روئے مبارک اور سنہری داڑھی
شاہ مردانؓ کے دونوں حسین رخسار
معطر دستار اور خود مبارک
زامریں جبہ و دستار کو تہہ بہ تہہ کیے ہوئے
پھولوں بھری ڈھال آپ کے سر پر سایہ فگن رکھوں گا
اور یزید کی کٹار رد کر دوں گا (سے بچاؤں گا)
محبوب کے ساتھ مل کر جھولا جھولوں گا
دولہا کے ساتھ خوش دلی سے مل بیٹھوں گا

اے محبوب مجھے تمہاری خوشنودی اور رضا درکار ہے
اس جہان (فانی) کی داد و دہش اور حرص سے غرض نہیں
جہان فانی کی چار روزہ عائلی زندگی اور بیٹوں کے بکھیڑے درکار نہیں
بلاشبہ جواں مرد وہ ہیں جو صداقت پر قائم ہیں
وہ حق تعالیٰ کی حمد و ستائش کرتے ہیں
اپنے پروردگار کے احکامات کی اطاعت اور رضاعی میں محو ہیں
اس کریم اور رزاق کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں
اس ذات پاک کے اعلیٰ و شیریں تحفوں پر نظر رکھتے ہیں
ان مبارک و خجستہ باغات شاہی کے طالب ہیں جو ثمرات سے لدے ہوئے ہیں

سب سے اعلیٰ بادشاہی کا مظاہرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
(وہ بادشاہی) محبت کے رشتوں پر استوار تھی
(شاہ مردانؓ) کے لئے نصرت الٰہی ہے
آپ ہمیشہ مسرور و مطمئن رہے
چودھویں کے چاند کی چمک اور چاندی جیسا شفاف چہرہ
بہادروں کو پچھاڑنے میں آپ کی شہرت تھی

جوانمردوں کی شان و شوکت ہمیشہ قائم ہے
یا علیؓ کا نام ورد زبان ہے
جو مشکلوں میں المدام دستگیری فرماتے ہیں
آپ پر افکار عالیہ کا الہام ہوتا ہے جو وسوسوں کو قطع کرتا ہے
پر رونق دہلی سے خراسان تک
دو قلندر بفرمان خداوندی متعین ہیں
دونوں ہی حضرت علیؓ سے محبت رکھتے ہیں

مست کا مسکن کوہ سلیمان میں ہے
اور اس کی توجہ میں حیدری محبت و مسلک کارفرما ہیں
مشہور علاقوں اور شہروں کی سیاحت کرتا ہے
اس کے نزدیک سردار اپنے عوام کے لئے نہایت مفید ہیں

خداوند تعالی کی قدرت اور صناعی کے صدقے
میں نے دھواں اڑاتی شور مچاتی ایک چیز (ریل) دیکھی
یہ بھی بادشاہوں کا ایک کارنامہ ہی ہے
عقل و حکمت کے کیسے کیسے سامان ایجاد ہوئے ہیں
چمنیوں سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہیں
رفتار ایسی تیز گویا پر لگے ہیں
کالی بھجنگ عورتوں کی طرح اودھم مچاتی آتی ہے
مجھے حکمت اور بزرگی کے زور سے اسے دھکا دے کر
اپنے شاہانہ سر سے ٹالنا ہے
یہ برسات میں چڑھنے والے سیلاب عظیم کی مانند ہے
پر جوش کڑکتے بادلوں کی طرح آتی ہے

جب میں سھوان پہنچا
اس بزرگ ہستی کے دربار میں
اس بزرگ کے جھنڈے اور لہراتے علم دیکھے
دربار جس میں دو سر والے اژدہا ہیں
وہ بزرگ چار یاروں (خلفائے راشدین) کا مقرب ہے
یار اپنی جگہ سے تب ہی جدا ہوتے ہیں
جب کیف و خمار سے آنکھوں میں سرخ ڈورے لہرائیں

اثبات راہ حق میں
ہے
مجھ کو وہ چیزیں عطا کیجئے جن پر میں فریفتہ ہوں
جنت میں باغات کے پھل تیار ہیں اور ہر قسم کا پھل میسر ہے
دولہا اور دلہن کے ملاقات کی گھڑی
ہے
حضرت علیؓ کی شجاعت کا شہرہ
ہے
امت کے والی (آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہی ارشاد ہے
خدا کی زمین ہماری ہے، جو مالک کا عطیہ
ہے
مست توکلی عاشق صادق کی بھی یہی صدا
ہے
ابلیس سے ہماری ہمیشہ سے جنگ
ہے
دستار نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں مرتبہ مبارک ہو

حمد رب جلیل

وحدت و یکتائی خدا تعالیٰ کی ذات کو زیبا ہے
وہ ایک ایسا بادشاہ ہے، جو پاک ہے
اگر اظہار قہر پر اتر آئے تو اس کی سطوت بے پناہ ہے
رحمتوں پر مائل ہو تو نہایت مہربان اور رحم والا ہے

قہر اور رحمتوں پر قدرت رکھنے والے ستار
میرا مدعا تیرا جلوۂ تاباں ہے
مجھے قیامت کے دن اپنے دیدار سے بہرہ ور فرما
میں بھی مجنوں کی طرح جنوں سامان ہوں
میرا پیکر گناہوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے
تاہم اپنے رب کی رحمتوں کا امیدوار ہوں

دل میں تیری ہی دید کا اشتیاق ہے
پل صراط جو باریک اور پر خطر راستہ (تار) ہے
میرے ناتواں وجود کو تیرا ہی آسرا ہے
سوا لاکھ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں لیکن
دونوں جہانوں کی بخشش کا وعدہ صرف ایک سے ہے
بہت سے اس کا دست راست تھامے ہوئے ہوں گے

واردات عشق

اے کہ تو کریم اور سخی پیدا کرنے والا مالک اور ستار العیوب ہے
اپنی رحمتوں کی درگاہ سے دلوں میں محبت بھر دے
ہستی کا راز نہفتہ یہ پراسرار جاندار (یعنی روح ہے)
اگرچہ مجسم نہیں مگر مظہر حیات ہے

حق تبارک و تعالی کا دیدار پاک اور حقیقی تھا
بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق و شیرانہ اقوال کے مالک ہیں
ان کے سر پر نبوت کا طلائی تاج ہے اور ان کے سخاوت کی حد نہیں

میں کاہان میں مقیم تھا جو خوشحال تھا
مستی، خوشحالی اور سکھ چین کے دن تھے
گویا عمر جام کا دور لوٹ آیا تھا
اس دور کے امیر اور سرکردہ سیر چشم تھے

میں گھوم پھر کر ماوند کا علاقہ دیکھتا
تھہڈی پہاڑ کی حسین سیر گاہیں
منجھرانڈی پوادی قبیلے کی حدود میں (بستی) تھی
تب خدا کا کرنا ایسا ہوا

کوہ ورابھانی پر موسلا دھار بارش برسی
رعد کی گرج اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ ہوئی
بارش سے بچنے کے لئے میں اوٹ کی تلاش میں تھا
دور ایک بستی کے چند گھر نظر آئے
سوچا، چلو اس خیمے کی اور جو حوروں کا مسکن ہے
تاکہ ہتھیار بھیگنے سے محفوظ رہیں

بادلوں کا شور تھا جیسے شادی کے موقع پر رقص ہو رہا ہو
طوفان باد و باران نے خیمے کی بازو والی لکڑی گرا دی
جلد ہی خیمے کو سہارا دینے والا اگلا کھمبہ بھی زد میں آگیا

ہوا اور تیز بوندوں نے اس (سمو) کی اوڑھنی اڑا ڈالی
سینے کے پھولوں نے (میری) روح میں ہلچل مچادی
میری آنکھوں نے ایسا منظر دیکھا
جیسے رمز آشنا نگاہیں چار ہوں

چہرہ تھا کہ چراغوں کی طرح فروزاں
زلفیں سانپ کی مانند لہراتی ہوئی
وہ آہوئے صحرا کی طرح رمیدہ خو
تیغ براں جیسی تیز و تند

مجھ پر جنونی کیفیت سے لرزہ طاری ہوا
اس کی مخمور آنکھیں شرر بار تھیں
بے قرار عاشقوں کا دل جلانے کے لئے
وہ بہشت کے لیموں کی طرح خوش ذائقہ
مکران کے آم اور انگوروں کی طرح لزیز

میرا دل اسی روز سے جنون آشنا ہوا
ہر چیز سے بیزار اسی کی دی ہوئی مدہوشی میں مبتلا
سرما کی طویل راتیں تعب آزار میں بیٹھے بیٹھے صبح کرنے لگا
نہ معلوم کتنی ایسی راتیں مسلسل جاگ کر سحر کیں

حضرت علیؓ کو آنکھوں میں بسانا چاہئے
میں نے آپؐ کی خوشنودی کے لئے رنگ کردہ ریوڑ سے بھیڑیں چھانٹ لیں.
اور صدقہ دینے میں چھرے نے دل کھول کر کام کیا
یہ ساری خیرات اور تمام صدقہ درگاہ میں مقبول ہوا ہے تو
ہمیں اگلی منزل (اگلے جہان) میں کام آئے

کچھ روز اسی طرح گزرے
جسم کا ملبوس اتار دیا (قیمتی پوشاک ترک کردی)
میرا پروردگار جو کچھ کرتا ہے بھلا کرتا ہے
حضورؐ کا صبر اور خلفائے راشدین کے کارنامے
میں نے بابرکت پہاڑ پر آکر دیکھے (سعی، صفا و مروہ)
بابرکت پہاڑ پر میں نے قربانی دے کر سلام پیش کیا

کچھ اور دن اسی طرح گزرے
ان دنوں میں امرا میں امتیاز کرنے والے نواب مرتضیٰ خان کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا
جو تمام زرکھانی (بگٹی) قبیلے کا خان ہے
اس عقلمند اور دانا شخص پر پریشانی کبھی رخ نہ کرے
جو مجھے اپنی جان کی طرح عزیز رہا
حکم دینے والی البتہ حاکم مطلق کی ذات ہے
اسی کے وسیلے سے مجھے پکھی کی سیاحت کا موقع ملا
شئے کھیری کے باغات دیکھے اور ندی تک گیا
کوچہ و بازار کی حدود میں گھوما
یہاں رندوں کا ایک متمول قبیلہ دیکھا
سال بھر تک ان کے آب و دانہ میں شریک رہا

دونوں ندیوں کا سیلاب مل کر بہتا رہا
تاہم خدا نے مجھے مجاز کی اس حالت سے رہائی دی
اور میں دنیاداری کے عیبوں سے محفوظ رہا
(کیونکہ) میں نے پاؤں زینے پر رکھ لئے ہیں
دونوں ہاتھوں سے کڑے پکڑ لئے ہیں

ضامن، ہمیشہ وہ ہونا چاہئے، جو صحیح ہو
ان چیزوں کی آرزو کیجئے، جو کسی نے نہ دیکھی ہوں
وہ جو زیتون کے پھلوں کی طرح سرخ ہیں
جو بہشت کے رنگین محلات سے لائی گئی ہیں
وہ جو نسیم سحر کے سنگھار کی طرح دلکش ہیں
گو کہ میں وصل میں بھی ہجراں نصیب ہوں

سوار وہ ہے، جو ہمیشہ سوار ہے
اقوال حیدری سے پوری طرح باخبر ہے
جس کا پیمانہ عظمت طلائے کرامت سے بھرپور ہے
وہ سونا جو عرش کے فرشتے اس کے لئے فراہم کرتے ہیں
میں حضرت خواجہ خضرؑ سے اپنی امیدیں جوڑتا ہوں
جو اس راز کو نہیں سمجھتے وہ بے خبری میں اجاڑ میں دوڑ لگاتے ہیں

بلوچوں میں بابرکت قبیلہ

سمو

سمو، کوہ زین پر پیپل کا ایک پیڑ ہے
سمو، درختوں کا پھل
ہے
سمو، مئے ناب کا ایک سبو
ہے
سمو، ایک غزال کہستانی
ہے
سمو، انار کا کھلا ہوا پھول
ہے

سمو، اندھیروں میں ایک روشن دیا
ہے
یا بارشوں کے نتیجے میں اگنے والی بوٹی
سمو، چوڑے پتوں والا انجیر کا پیڑ
ہے
ایسا پیڑ جو دشوار گزار گھاٹیوں اور جھیلوں کے کنارے اگتا
ہے
جس کا مقام پہاڑوں کی بلند چوٹیاں
ہیں
کسی ہوا کی یہ مجال نہیں کہ اس پیڑ کو ہلا سکے

جب وہ خون میں رچی ہوئی سرخ ڈوروں والی آنکھیں اوپر اٹھاتی
ہے
تو یوں لگتا ہے جیسے ہلکے بادلوں میں بجلی کوند رہی
ہے
ریشمی ملبوس میں اس کا قد مرعنا
دور دیس سے آنے والے بادلوں کا روپ دھار لینا
ہے
اس کا سنہری چہرہ حسین آنکھیں
اور پتلی کمر تک لانبے گھنے گیسو
تیغ آبدار کی مانند تند و تیز ہیں

میاں محمد بخش
(۱۸۲۶ء-۱۹۰۷ء)

مترجم
جیلانی کامران

میاں محمد بخش
(۱۸۲۴ء۔ ۱۹۰۷ء)

راشد متین

میاں محمد بخش پنجاب میں عربی، فارسی روایت کے آخری معروف ترین صوفی شاعر تھے۔ ان کی ولادت ۱۸۲۴ء میں میرپور کے علاقہ کھڑی شریف میں ہوئی۔ انہوں نے اس علاقے کی مشہور دینی درسگاہ سمر شریف میں تعلیم حاصل کی۔ حافظ غلام حسین سے علم حدیث پڑھا، حافظ ناصر سے دینی علوم کے علاوہ شعروادب کے رموز سے بھی آشنائی حاصل کی جلد ہی عربی اور فارسی زبانوں میں عبور حاصل کرلیا۔ اس کے بعد پنجاب بھر کا سفر کیا اور علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں واپس آکر ضلع میرپور ہی میں سائیں غلام محمد کے مرید ہوئے۔ ان کی دانست میں مرشد کامل کا اہم وصف محض صاحب کرامات ہونا ہی نہیں بلکہ حسن واخلاق کی بلندی کو چھونا بھی ہے۔ میاں محمد بخش حاکمان وقت سے دور دور رہتے تھے۔ اکابرین کی سیرت نے ان کی زندگی میں روحانی انقلاب برپا کردیا تھا وہ موسیقی کے دقیق رموز پر بھی ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ اسی لئے ان کی شاعری میں موسیقیت بدرجہ اتم رچی ہوئی ہے۔ انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے جس عہد میں آنکھ کھولی، وہ بڑا پر آشوب دور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی انگریزوں کا کشمیر کو سکھ مہاراجہ کے حوالے کرنا، سکھوں کے پنجاب بھر میں مظالم انہی کے دور میں ہوئے۔

ان کی شاعری، فکر اور مطالعے کے ڈانڈے قرآن و حدیث، فارسی شعراء عطار، رومی، جامی کے علاوہ منصور حلاج اور خواجہ حافظ سے لے کر پنجابی شعراء تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں تصوف کی ہندی اور ایرانی روایت کو جذب کر کے ذاتی اور اجتماعی سوز و گداز کے فیضان سے فکر انگیز اور دلکش پیرائے میں ڈھالا ہے۔ اور ابن عربی اور مولانا روم کی صوفیانہ روایت، پنجابی شاعری کی روایت کے اثر سے دو آتشہ ہو گئی ہے۔ ان کی تخلیق کردہ مشہور داستان "سفر عشق" جو کہ قصہ سیف الملوک کے نام سے معروف ہے انہی افکار و تخیلات کا پرتو نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کی تین خصوصیات ہیں، سوز و گداز، پند و نصائح کے شائبے کے بغیر لطیف پیرایہ اظہار اور تمثیلی انداز۔

ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کی وہ ایسی تعبیر کے موید اور حامی ہیں جو ذرے ذرے میں جمال حقیقی سے روشناس کرواتی ہے۔ انسان کو تعصبات اور فخر و غرور سے بچاتی ہے اسی رویے نے ان کی شاعری میں گہرائی اور گیرائی پیدا کی ہے اور فکر کو وسیع اور ہمہ گیر بنایا ہے۔ انہوں نے خارجی احوال و کوائف کی ترجمانی کے علاوہ من کی دنیا کی سیاحت بھی کی ہے۔ خارجی اور داخلی زندگی ان کی شاعری میں الگ الگ نہیں بلکہ باہم مربوط نظر آتی ہیں۔ ان کے مطابق جیتے جی مرجانا اور مر کر بھی جیتے رہنا ہی فقر ہے۔ عمل پر بہت زور دیتے ہیں کیونکہ عمل کے بغیر کوئی بھی کام پورا نہیں ہوتا ان کی تصنیف "قصہ سیف الملوک" کی ساری کی ساری فضاء عمل پر ہی قائم کی گئی ہے۔

میاں محمد بخش کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا۔

(۱)

اے خدا!! اپنی رحمت کی بارش برسا
اور سوکھے باغ کو ہریالی دے
اور میری آس امید کے
پودوں کو میوہ دار کر دے!

ایسا شیریں پھل بخش
جس میں قدرت کی شیرینی ہو
جو اسے کھائے اس کا
کوئی روگ نہ رہے اور غم جاتا رہے

اس باغ کو ہمیشہ کی بہار عطا کر
اس پر کبھی خزاں نہ آئے
ہر کوئی اس کے فیض سے بہرہ ور ہو
اور ہر طلب گار اس کا پھل کھائے

اپنے عشق کا چراغ میرے دل میں
روشن کر
اور مری روح کو جلا بخش
کہ میرے دل کی تابندگی
چہار جانب پھیل جائے

میری سرشت کو رہائی دے
کہ مشک کی خوشبو ہر طرف پھیل
جائے
اور جو میرے لفظ سے معطر ہو
اور عشق کی لگن سے ہر ذہن بامراد
ہو!

باغوں میں بلبل پکار کرتی ہے
اور ندی نالوں میں پانی نغمہ سرا ہے
جنھوں نے ہمیں محبوب سے جدائی دی
ہمارا صبران کی جان پر اترے!

(۲)

مگر نہ تو بلبل ہمیشہ پکار کرتی ہے
اور نہ بہار ہی کا عیش ہمیشہ رہتا ہے
اور نہ حسن کا ساتھ ہمیشہ ہے
نہ جوانی اور دوستوں کی صحبت باقی
رہتی ہے

باغ گلزار اور بہاریں
دوستوں کے بغیر کس کام کی؟
دوستوں کے بغیر اے محمد بخش
کون غمخواری کرتا ہے

بہاروں کو یاد کرتے ہوئے
بلبل نے ہزارہا گیت کہے
کہ میں اپنے قفس بدن میں قید ہوئی
اور اب گلزاروں سے کب ملنا ہو گا

باغ بہشت میں گلاب کے پھولوں پر
نئی جوانی آئی ہے
اگر میرا رب قفس کی قید سے رہائی
دے
تو محبوب سے ملاقات ہو

یاروں کے بغیر
باغ گلزار اور بہاریں بے کار ہیں
اگر دوست مل پائے۔ ہجر دور ہو
تو میں اپنے پالنے والے کا شکر ادا کرتا
رہوں

بے پرواہی تیری منزل نہیں ہے
جو نفع سے موسوم ہے
بے نیازی کی بدولت دونوں جگ
بے قیمت ہو جاتے ہیں

وہاں سات بہتے دریا ایک قطرہ ہیں
اور سات دوزخ محض چنگاری ہیں
اور آٹھوں بہشت وہاں گم ہو کر
بہار کا ایک پھول بنتے ہیں

جب لاکھوں نوری فرشتے
غم میں پروانوں کے مانند جل گئے
تب خاک کے بنے ہوئے آدم کے
قالب میں چراغ روشن ہوا

اس راستے پر سفر کر کے
کس مسافر نے آخر کا پتہ پایا
جو کوئی بھی اس در پر آتا ہے
اسے دنیا میں قرار نصیب نہیں ہوتا

رکنا تجھے واجب نہیں ہے
کہ چلنے ہی سے سفر کٹتا ہے
تو نے ایک دشوار کام چنا ہے
جو علاج کے بغیر ہے

قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے
اور اس سے خلاصی ممکن نہیں
بادشاہوں کو بھی یہ مصیبت گھیر لیتی ہے
ہم کس قطار شمار میں ہیں

بادشاہ نے خزانہ داروں کو
خزانے کے قفل کھولنے کا حکم دیا
اور اس صندوق کو لانے کے لئے کہا
جو سلیمانی تحفہ میں شامل تھا

(۳)

شہزادے سیف ملوک نے
جب صندوق والی تصویر دیکھی
آتش عشق نے اس پر غلبہ کیا
اور دل تپش سے دہک گیا

شہزادی کے ساتھ ایک مرد کی تصویر
تھی
جو برابر میں بیٹھا تھا
اس کے ہاتھ میں
ایک بے حد خوبصورت جام میں لال
شراب تھی

اس تصویر کو دیکھ کر
شہزادے نے بخوبی جان لیا
کہ یہ تصویر اسی کی ہے
اور اس سے ہو بہو مشابہ ہے

اس تصویر کو دیکھ کر
شہزادے کی طبیعت بے چین ہوئی
وہ حسن کے جلوے کی تاب نہ سہہ
سکا
اور یوں محسوس ہوا کہ روح پرواز
کرنے کو ہے

تصویر سے یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون
ہے
کہاں سے ہے؟ اور کس ملک کی ہے
شاید کہ یہ شہزادی پریوں کے
حسن ظن کی کوئی مورت ہو!

حالت عشق کا اپنے خیال میں
ذکر کرتے کرتے شہزادہ سو گیا
اور دل میں محبوب کی چاہ
جذب و شوق میں اور بھی اضافہ کیا

خواب میں اس نے اسے دیکھا
جو تصویر میں تھی
اور جس کے حسن کا بیان
شرح و عالی اظہار سے بھی ممکن نہیں
ہے
تجھے اس رب کی قسم
جس نے تجھے حسن اور جوبن دیا ہے
کہ کون سا شہر تیرا ہے؟
کون سی ولایت میں ہے اس کی نشانی
بتا دے!

صورت نے جواب میں کہا
کہ میں تیرا مطلب جان گئی ہوں
میں سنہرے شارستان میں رہتی ہوں
اور باغ ارم میں میرا قیام ہے

اگر تو مجھے اپنا محبوب سمجھتا ہے
اور میرا عشق تیرے دل میں آباد ہے
تو کبھی کسی اور کو میرے بجائے قبول
نہ کرنا
اور میرے لئے ثابت قدم رہنا

میں پری زاد اور تو آدم زاد ہے
مگر مقدر ہم دونوں کا ایک ہے
میں ہمیشہ انتظار کروں گی تیرے جلدی
آنے کا
مجھے اس محبت میں نامراد نہ کرنا

انس راہ پر اگلی منزل
وارثی توحید کی ہے
جہاں عابد اور معبود کا وصل ہے
اور نہ پیر اور مرید کی دوئی کا رنگ ہے

(۴)

جو کوئی دریائے وحدت میں
غوطہ زن نہیں ہوا
وہ آدم تو ہے نظر آتا ہے
لیکن وہ انسان نہیں کہلا سکتا

جو وحدت تک رسائی پاتے ہیں
وہ نیکی بدی کا ذکر نہیں کرتے
نیکی بدی کا ذکر تو تب تک ہے
جب ہم کثرتوں میں ہوتے ہیں

اس شہر وحدت سے بہت دور
باہر عقل سرگرداں ہے
جسے یہ راز معلوم ہوا ہے
وہ ہر شئے سے بے نیاز ہوا ہے

عقل اور فکر سے آزاد ہو کر
وہ دیوانہ وار رقص کرتا ہے
اور پوچھتا ہے کہ کیا خبر میں کون ہوں؟
اور میرا گھر کہاں ہے؟

جب وہ اپنے دل میں دیکھتا ہے
وہاں وہی دکھائی دیتا ہے
ہر جانب دیکھنے پر بھی یہی منظر ہے
اس میں کوئی فرق نہیں آتا

جب تو اپنے آپ میں گم ہو جائے
تو اپنی نشانی چھوڑ جا
اے محمد بخش! رموز توحید کو
زبانی بیان کرنا آسان نہین ہے!

(۵)

اے شخص! کبھی ہمت نہ ہار
کہ کوئی تجھے نامرد کہے
جس کسی نے ہمت کر کے تلاش کی
وہ پائے بغیر کبھی دنیا سے رخصت نہیں
ہوا

جب تک امید قائم ہے
تلاش جاری رکھ
کہ اگر تو تلاش سے دستبردار ہوا
تو اپنی ہی تضحیک کا سبب ہو گا

کسی لمحے کے لئے بھی ہمت نہ ہار
کہ اک دن حالات ضرور بدلیں گے
جو طالب تلاش رزق میں اترتا ہے
وہ کاسہ بھر کر لوٹتا ہے

اگر مقصود یہی ہوتا
کہ رنج سے خوشی ملے گی
تو پھر کامیابی کی صورت میں
دکھ کا کوئی باب یاد نہ رہتا

جس دل کے اندر
رتی برابر عشق کی چنگاری ہو گی
اس قصے کو پڑھ کر، خدا کی رضا سے
وہ شعلہ بن جائے گی

جب ہر کام مکمل ہوا
تو شہزادہ سفر کے لئے تیار ہوا
اور اپنی ماں سے آخری اجازت لینے
کے لئے
سیف ملوک اس کے پاس حاضر ہوا

(٦)

پرچموں کے سائے میں شہزادہ
اپنے سفر پر گامزن ہوا
اور ملاحوں نے اپنی کشتیوں کے
بادبان کھول دیئے

بادل اور تند ہواؤں نے ایسا غضب
دکھایا
کہ ایک لمحے کے لئے بھی کم نہ ہوا
اندھیرا، دھند اور غبار اتنا گہرا تھا
کہ اپنا آپ بھی دکھائی نہ دیتا تھا

ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر
بیڑے ٹوٹ کر بکھر گئے
کچھ غرق ہوئے
کچھ چھوٹے بڑے تختوں کی صورت
میں بہنے لگے

خدا نے شہزادے کو سلامت رکھا
اور وہ اٹھارا دنوں تک
اس قیامت خیز طوفان میں بہتا رہا

آخر کار وہ ایک جزیرے سے جا ملا
جو بہت خوشی آئند جزیرہ تھا
جس میں رنگا رنگ کے پھل پھول تھے
کہ جن کا شمار بھی ممکن نہیں

وہ کئی روز چلتا رہا اور ایک لمحے کو بھی
اس نے آرام نہ کیا
یہاں تک کہ ایسے مقام تک آ پہنچا
جہاں آدم کے قدم بھی نہ پہنچ پائے
تھے

بھوک کی شدت سے
جہاں لوگ پھل پر گزارا کرتے تھے
اور غیب سے بندروں کی فوج
چار سو گزر کرتی تھی

وہاں شہزادہ قیدی ہوا
اور کچھ بھی اس کے بس میں نہ تھا
بندروں کو تہس نہس کرنا بھی آسان
نہ تھا
کہ رہائی پا سکتا

بندروں کی فوج نے
شہزادے کو گھیر لیا اور اسے
وہ ایک قلعے میں لے گئے
دل میں شہزادہ رب کو یاد کرتا رہا

(۷)

اس قلعے کے بے شمار برج تھے
اور دیواریں اور چھت پختہ اور مضبوط
تھے
اس کے اندر ایک محل تھا
جس میں سدا بہار باغات تھے

اس محل کے چھت، منڈیر اور شاہ
نشین
موتیوں سے مزین تھیں
جن کی چمک سے ہر جانب نور کی سی
روشنی دیئے
کی لو بن کر روشن تھی

جب شہزادہ وہاں پہنچا
اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا
اس محل کے صحن خوب تر صفائی
والے تھے
جن میں تخت شاہی تھا

اس تخت پر
ایک جوان رعنا بیٹھا تھا
جس کی صورت بے حد پیاری تھی
اور بیٹھنے کا انداز بھی دلکش تھا

اس کے کالے بال گھنگریالے تھے
اور داڑھی کے بال گلزار کا سبزہ تھے
اس کا چہرہ انار کی طرح سرخ تھا
اور آنکھیں چراغ کی طرح روشن
تھیں

اس شہزادے نے سیف ملوک پر
بڑی نوازش کی اور
اسے تخت پر
دوستانہ نیت کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا

اس شہزادے نے سیف ملوک سے کہا
اے بھائی سن
میں بھی تیری طرح دکھیا ہوں
اور اسی لئے مجھے تیرے ساتھ مروت
بھی ہے

بندروں کی قوم کے درمیان میں
آدم زاد دن گزار رہا ہوں
مجھے یہاں کچھ بھی چین نہیں ہے
میں اپنا احوال کسے کہوں؟

مجھے بھی سبب کر کے
اپنی جنس کا شہزادہ ملا ہے
اور اب کچھ دن اپنا دکھ بانٹ سکوں گا
کہ آخر تو بچھڑنا ہی اپنی تقدیر ہے

(۸)

اس علاقے کے سارے بندر
میری اطاعت میں ہیں
اور انہوں نے مجھے
اپنا سردار بنا رکھا ہے

جو کچھ اس پر گزری
اس نے ذرہ ذرہ بیان کیا
اور ہر لفظ پر اس کی آنکھوں سے
بے ساختہ آنسو نکلتے رہے جیسے ساون
کی جھڑی ہو

میرا نام شہزادہ فیروز ہے
اور اپنے والدین کا منظور نظر ہوں
میں سیر' شکار کا عادی تھا
اور ہمیشہ ویرانوں اور جنگلوں میں
گھومتا تھا

شاہ فیروز نے سیف ملوک کو
آنسوؤں کے ساتھ وداع کیا
اور کہا کہ جب رب دوبارہ ملنے کی
سبیل کرے گا پھر ملیں گے

اس نے سیف ملوک کو
خدا کے حوالے کر کے اسے تاکید کی
کہ جس راہ پر بندر اس کی رہبری
کرے
وہی رستہ اختیار کرنا

بندوں کی سرحد کے پرے
جب تیرا گزر ہوگا
تو سنگساروں کا شہر آئے گا
اور سنگسار آس پاس ظاہر ہوں گے

انہوں نے شہزادے اور اس کے
ساتھیوں کو گرفتار کر لیا
یہ بھوک اور پیاس سے بے حال تھے
اور زنگی تعداد میں بہت تھے

زنگی شہزادی اک غیبی عشق میں
بے چین ہوئی
اور سیج پر کروٹیں بدلتے بدلتے
بے قرار ہوتی گئی

دس دن اور دس رات سیف ملوک
پانی میں بہتا گیا
اور آخر کنارے جالگا
جہاں کوہ قاف آسمان کی سی بلندی
کی طرح بلند ہے

(۹)

دوسرے دن جب روشنی پھیلی
تو اسے ایک ندی دکھائی دی
اونچے درخت سنہری رنگت کے نظر
پڑے
اور زمیں جھلملاتے ہوئے دکھائی دی

اس ندی کے اندر سیف ملوک نے
سر اور دھڑ بہتے ہوئے پائے
اور ان میں اسے اپنے کئی پرانے
یار دوستوں کے بدن بھی دکھائی دیئے

اس جنگل میں
کتنے ہی روز وہ چلتا رہا
اور آخر ایک روز صبح سویرے اسے
دور سے کسی شہر کے در و بام دکھائی
دیئے

چلتے چلتے
وہ دروازے تک پہنچ گیا
اور اس نے ایک بڑا شہر دیکھا
جس میں ہر جانب باغ باغیچے تھے

اس کے بعد وادیٔ حیرت کی
منزل سامنے آتی ہے
جہاں نہ تو افسوس باقی رہتا ہے نہ درد
اور نہ خوشی نہ شادمانی گزر کرتے ہیں

جب کوئی مرد
اس عالم حیرت میں جا پہنچتا ہے
وہ تحیر میں گم ہو جاتا ہے
اور اپنے آپ کو بھی نہیں پا سکتا

(۱۰)

اگر کوئی اس سے پوچھے
کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے؟
کیا تو باطن میں ہے یا ظاہر میں ہے؟
یہاں ہے یا کہیں اور ہے؟

کیا تو فانی ہے یا باقی رہنے والوں میں
ہے؟
یا تو امر دوئی کا اظہار ہے؟
ہمیں کچھ تو بتا دے
کہ تیرا حال ایسا کیوں ہوا ہے؟

کہا کہ مجھے اصل حالات کی کوئی خبر
نہیں ہے
کہ میں بیٹھا ہوا ہوں یا کھڑا ہوں
جانتا ضرور ہوں کہ میں عاشق ہوں
مگر کس پر عاشق ہوں اس کی خبر نہیں
ہے

حیرت اور سرگردانی کا سلسلہ ہے
آگے بڑھنے کا رستہ معلوم نہیں
اس شہر کے دروازے پوشیدہ ہیں
کہاں داخل ہوں اور کہاں سے باہر
آئیں؟

اے چاند! طلوع ہو
اور ہجر کی کالی رات کو روشن کردے
اور
اس کے حسن کمال کی شمع کو
میرے خانۂ دل میں روشن کردے

اس محبوب کے دروازے پر
حور اور فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے
ہماری کہاں مجال کہ ہماری طرح کے
مفلس
وہاں سلام بجا لائیں!

اس کے حسن کے بغیر
کوئی اور خیال میرے دل میں نہیں
ہے
کہ اس کی زلف نے روز ازل سے
میرے دل کو باندھ رکھا ہے

اس خوبصورت چہرے کے دیدار سے
مجھے منع نہ کر!
کہ ایسی عادت پیدا ہوتے ہی
میری سرشت میں شامل کی گئی تھی

تیرے دیکھے بغیر اے میرے محبوب!
خوابوں میں بھی خوشی نہیں ملتی
اپنا چہرا دکھا، دیر مت کر!
ایک بار خدائی میں چہرا دکھا!

اپنے حسن کے غرور میں مجھے
گلاب کے پھول کی طرح مطعون نہ
کر!
لیکن یہ بات بلبل سے ضرور پوچھ
جو تیرے لئے دیوانی ہوئی ہے!

سیف ملوک ایک دن
اجاڑ ویرانے میں جا پہنچا
جہاں نہ تو کوئی شکار تھا نہ پانی
صرف خدا کی ذات چہار جانب تھی

نہ کوئی ٹھنڈی چھاؤں نہ سایہ
قہر کی دھپ جلائے رکھتی تھی
اور پانی کے بغیر
جگر کا لہو بھی جل چکا تھا

(۱۱)

اس ویرانے میں سیف ملوک
غم سے نڈھال ہوا
اور تھکن، واماندگی اور بھوک پیاس
سے بے حال ہو گیا

عقل نے شہزادے کو تنبیہہ کی
کہ وہ حوصلہ نہ ہارے
کہ جن کی محبت خاص ہے
وہ آخری سانس تک بے امید نہیں
ہوتے

نفس کہے کہ تو بے تاب ہوا تھا
اب اور کب تک برداشت کرے گا؟
کتنی مصیبتیں برداشت کی ہیں
اور آخر محبوب کے بغیر ہی موت نے
آنا ہے

نفس کہے کہ فرہاد نے
خود کو تیشہ سے ہلاک کیا
اور یوں بے مراد ختم ہوا
مجھے بھی ایسا ہی اندیشہ لاحق ہے

عقل اور نفس کے اس معاملے کو
عشق نے مداخلت کر کے ختم کیا
اور سیف ملوک کو
فیصلے سے آگاہ کیا

سیف ملوک نے کہا اے رب!
اگر تری رضا میں وصل محبوب ہے
تو اس وقت مجھے
کسی کے ذریعے ٹھنڈا پانی پلا!

ایسی فال کو خدا کے سپرد کر کے
شہزادہ مطمئن ہوا
اور خود جھاڑیوں کو سرہانہ بنا کر
زمین پر لیٹ گیا

آنکھوں کے سو جانے سے دل جاگ
اٹھا
اور بخت بیدار ہوئے
اور ان کے ساتھ ساتھ
ایک غیبی شخص بھی اس کے سرہانے
ظاہر ہوا۔

وہ غیبی شخص انسان کے روپ میں
تھا نورانی رنگ
اس کے سر پر بھاری طوطی
رنگ سبز دستار تھی

اس غیبی شخص کی صورت و سیرت خضر
کی تھی
اور چہرہ سورج کی طرح دمکتا تھا
اس کے بالوں کی خوشبو کے جھونکے
چہار جانب پھیلے ہوئے تھے

٥

اس کے ہاتھ میں فیروزہ رنگ عصا تھا
اور ساری پوشاک سفید تھی
وہ مظہرنورالٰہی دکھائی دیتا تھا
جس کا جسم اور لباس دونوں پاک
صاف تھے

اس کے دوسرے ہاتھ میں
ٹھنڈے پانی سے لبالب پیالہ تھا
جو حوض کوثر کے چشمے کا پانی تھا
اور پیالے کے کناروں سے بہہ رہا تھا

اپنی میٹھی آواز میں
اس نے شہزادے سے کہا
بیدار ہو! اے عشق میں ثابت قدم
انسان!

تیرے لئے مجھے رب کریم نے
اس ویرانے میں بھیجا ہے
میرے آنے کا کوئی اور مطلب نہیں
ہے
اور نہ میں نے کہیں اور جانا ہے

اس کے ساتھ ہی فرشتہ شہزادے کو
تنہا چھوڑ کر غائب ہوا
اور شہزادہ خوشی کی راہ پر گامزن ہوا
اور ساری ابتلائیں تمام ہوئیں

(۱۲)

اس نے قلعے کے صحن میں
ایک عجیب باغ اور عمارت دیکھی
جو جنت کی طرح
بے حد خوبصورت تھی

اس میں نہ کوئی آدم زاد تھا
نہ کیڑا، نہ مکھی، نہ کوا، نہ کتا
معلوم نہیں یہ کیا طلسم تھا
کہ کچھ پتہ نہیں ملتا تھا

اس باغ کی عمارت کے طاق
کانچ اور سونے کے تھے
اور لاجوردی رنگ کے
آسمانی نقش و نگار تھے

قسم قسم کے کھانے
دکانوں پر دھرے تھے
جو نہ تو بہت گرم تھے نہ بہت ٹھنڈے
اور نرم ایسے جیسے کہ پٹ سن ہو!

سیف ملوک نے اس عالی شان عمارت
میں
پنجروں میں قید پرندے دیکھے
اور پنجرے لعل و جواہر سے مزین تھے

یہ سب پرندے مختلف آوازوں اور
بولیوں
میں پکار کر رہے تھے
کسی کی کوک بلند آواز میں تھی
اور کسی کی صدا کم سنائی دیتی تھی

بلبل بہار یاد کر کے
فریاد کرتی ہے
کہ میں پنجرے میں قید ہوں
کب گلزاروں سے دوبارہ ملوں گی

قمری کوکو کوکتے شکایت کرے
کہ باغ بہشت میں سرو کے پیڑوں کی
فرقت میں اس کا حال بے حال ہے

مینا کہے کہ میں بدنصیب
اپنی ماں کے گھر پیدا نہ ہوتی
کہ ابھی میں نے چمن کی دل کھول کر
سیر بھی نہ کی تھی کہ پنجرے میں پکڑی
گئی

فاختہ پکار کرے کہ مجھے
امر کی چھری نے زخمی کیا ہے
مجھے یہ نہیں بتایا کہ یوسف کنویں میں
کیوں گرا؟
لیکن صدا و فغاں میرے سپرد کی گئی ۵

کونجیں غم کی صدا بلند کریں کہ
بچے دور پردیس میں ہیں
اور ہم یہاں پنجرے میں قید ہیں

کوئل کہے کہ اگر میں
آج اپنے چمن میں ہوتی
تو سبزہ دیکھ کر میرا دل شگفتہ ہو جاتا
اور میں دل کو بھانے والے گیت سناتی

شاہزادے کو دیکھ کر
پرندے خوش خوش چہکنے لگے
اور آپس میں کہنے لگے
کہ اچھا زمانہ لوٹ آیا ہے

خدا نے ہماری رستگاری کو
آزادی دلانے والا شخص بھیجا ہے
اس کے بغیر اور کوئی نہیں ہے
جو دشمن کو ہلاک کرے!

پرندے روح، پنجرا جسم
اور عمارت دنیا ہے
باغ جنت ہے اور شاہزادہ
یار بے مثال کا عکس ہے

(۱۴)

اے لڑکی! جب تک روشنی رہے
پانی بھرتی جا
کہ شام آتے ہی، اور ساتھی کے بغیر
تجھے گھر جاتے ہوئے ڈر آئے گا

دشمن کے مرنے پر خوشی نہ کر
کہ تیرے اپنے پیاروں نے بھی کوچ
کرنا ہے
سورج عصر کے مقام تک آ پہنچا ہے ٥
اور بالآخر اسے ڈوبنا ہے

مالی کام صرف پانی دینا ہے
اور وہ پانی دیتا رہے گا
پھل پھول لانا اللہ کا کام ہے
وہ چاہے ایسا ہو یا ایسا نہ ہو!

اس اونچے مقام سے میں نے محبت کی
ہے
اور کڑا غم مول لیا ہے
اے محمد بخش! دوستوں کے بغیر ایسا
کون ہے
جو میرے غم میں شریک ہو!

(۱۴)

میں پریزاد اور تو آدم زاد ہے
دونوں کے درمیان نسبت کہاں ٹھہری
ہے
پرانے وقتوں سے ان کے مابین
رشتہ داری بھی نہیں ہے

جو رشتے پہلے وقتوں میں نہیں ہوئے
آج کیسے روا ہو سکتے ہیں
اپنے قبیلے برادری کے باہر ناطہ داری
ممکن
نہیں خواہ کوئی کتنی ہی خواہش کیوں
نہ کرے!

(۱۵)

کہ اچانک آندھی کے آ جانے سے
خوشی کی شمع بجھ جاتی ہے
دل کے باغات کے در و بام اڑ جاتے ہیں
اور ہجر کی خزاں چھا جاتی ہے

امیدوں کی ہری بھری شاخیں
ٹوٹ جاتی ہیں
اور خوشیوں کی ٹہنیاں
ٹوٹ کر زمیں پر بچھ جاتی ہیں

ہر طرح کی مرادوں
اور سکھ سہاگ کے بعد
دشمن آسمان ایسا ہے
جو انسانوں کو خوش دیکھ نہیں سکتا!

موت کا فرشتہ خدا کا حکم لے کر
اس کے پاس پہنچا
سیف ملوک کلمہ عشق زبان پر لایا
اور جان دے دی!

آسمان کی جانب پرواز کر گیا
اور بہشت کی خوشیوں میں جا اترا
جو ملاح تھا وہ چلا گیا
اور ٹوٹی ہوئی ناؤ پیچھے رہ گئی

بہاروں کی بو باس
جنگل چھوڑ گئی
اور زندگی کی بلبل
اپنا پنجر چھوڑ کر چمن کو اڑ گئی!

(۱۶)

سیف ملوک اور پری دونوں ایک دوسرے سے
اپنی محبت کے طفیل مل گئے
کہ جس شئے کی تلاش کی جائے
وہ آخرکار ایک دن مل جاتی ہے ۔

اللہ کا نام لے کر اس نے
بلوریں ساغر اپنے ہاتھ میں پکڑا
اور جو شئے پی اس نے ایک نئی زندگی دی
اور سستی جاتی رہی

تلاش کرنے والا کبھی بے مراد نہیں رہتا
اگر اس کی تلاش برحق ہے
جو اپنی تلاش سے لوٹ آتا ہے
اس کی تلاش ناپختہ ہوتی ہے

اگر صورت کے اندر
دلوں کے مالک کا ظہور نہ ہوتا
تو کون غیب سے دلوں کی رہبری کرتا
اور جسموں کا ملاپ کرتا؟

یونہی مور اپنی موج میں بال
و پر پھیلاتا ہے
اور کلغی کو اونچا کرتے ہوئے
پنجوں پر رقص کرتا ہے

ہائے افسوس
جو عشق کی تلاش میں رہے
اور وصل میں غم کو
فراموش کرنے کی آرزو کرتے رہے

(۱۷)

بدیع الجمال بے تاب ہو گئی
اس نے ماتم کیا اور چوڑیاں توڑ ڈالیں
اور ایسے صدمے سے ہلکان ہوئی
جیسے کونجیں کوکتی ہوں

وہ موت کے سفر پر
اس قدر عجلت میں روانہ ہوا
کہ میں سر کو اس کے قدموں پر رکھ کر
اس کی رکاب تک نہ چوم سکی!

گریہ زاری میں رات دن گزارتے ہوئے
وہ دیوانوں کے مانند گری
اور سیف ملوک کے در پر
اپنی جان دے دی!

خوشبو نے آکر پیغام دیا
کہ کھلے ہوئے گلاب بلا رہے ہیں
اور بلبل مستی کے عالم میں
پھولوں کی زیارت کو چمن کی جانب اڑ گئی

مجاز کے گلشن میں
شبنم کی پاکیزہ بوند
سورج کو دیکھ کر
مائل پرواز ہوئی اور

اس میں ازل کی
آرزو جاگ اٹھی!

خواجہ غلام فرید
(۱۸۴۱ء ۔ ۱۹۰۱ء)

○

مترجم

ارشد ملتانی

خواجہ غلام فرید
(۱۸۴۱ء۔۱۹۰۱ء)

راشد متین

پنجاب میں صوفیانہ مسلک چشتیہ کے احیاء کا سہرا خواجہ نور محمد مہاروی کے سر ہے۔ یہاں مٹھن کوٹ کے مرکز کے نگران خواجہ محمد عاقل تھے جو خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ اور خواجہ غلام فرید کے جد امجد تھے۔ خواجہ فرید ۱۸۴۱ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ خواجہ فرید کے والد کو سجادہ نشینی کے بعد بہاول پور کے نواب سکھوں کے عہد حکومت میں مٹھن کوٹ سے اپنی ریاست میں لے آئے اور انہوں نے چاچڑان نامی گاؤں میں رہائش اختیار کر لی۔ خواجہ غلام فرید کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخرالدین نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی علوم سے بھی بہرہ ور کیا۔ خواجہ غلام فرید اپنے انہی برادر بزرگ کے مرید ہوئے اور عبادات اور ریاضتوں میں غرق ہو گئے۔ اٹھائیس برس کی عمر میں برادر و مرشد کے انتقال کے بعد صاحب سجادہ ہوئے مگر سجادگی کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی بجائے گوشہ نشینی اختیار کرنے کو ترجیح دی اور زوہی' نامی صحرا و بیابان کا رخ کیا اور کم و بیش اٹھارہ برس تک بیابانوں کو آباد کرتے رہے۔

وہ اپنی شاعری میں روہی کو ہی اپنا محبوب گردانتے ہیں۔ ان کا کلام عشق مجازی کے شدید تجربے کی دلالت کرتا ہے۔ ان کی کافیوں میں انسانی حوالوں کے ساتھ عشق کی درماندگیاں' ہجر کا سوز' وصال کی آرزو' انتظار کا کرب' محبوب کی جفاء بے نیازی اور ستم پسندی کے تذکرے جابجا ملتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے کلام کو بغور پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عشق محض عشق مجازنہ تھا بلکہ اس نے اطلاق کا رنگ بھی اختیار کر لیا تھا۔ پوری کائنات اس میں سمٹ آتی تھی اور اس نے ان کے حوالہ جاتی نظام کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

عشق مجازی سے عشق حقیقی تک سفر انہوں نے فلسفہ‘ وحدت الوجود کی مدد سے طے کیا تھا۔ محبوب کی جستجو اور دوئی کو ختم کرنے کا شدید جذبہ اس فلسفے کے بنیادی اوصاف ہیں وہ اس فلسفہ کی بنیاد پر بسطامی‘ حلاج اور ابن عربی کے بے حد مداح تھے لیکن انہوں نے انسانی خودی کی نفی کو روحانی معراج قرار نہیں دیا۔ ان کے ہاں فرد کی آزادی اور خود اعتمادی برقرار رہتی ہے ان کے نزدیک یہ آدرش اس وقت حاصل ہوتا ہے جب خودی استحکام حاصل کرتی ہے اور اپنی تکمیل کرتی ہے۔

بے معنویت کے احساس کی شدت بھی خواجہ فرید کو دنیا کی بے ثباتی‘ انسانی وجود کی لغویت اور موت کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے لہٰذا وہ باہو اور بھٹائی کی طرح رہبانیت پسند نہ ہوتے ہوئے بھی یہ درس دیتے ہیں کہ زندگی عارضی ہے‘ اس کے حاصلات بے معنی ہیں کامیابیاں غیر اہم ہیں اور موت ہر شے کو مٹا دیتی ہے۔

خواجہ غلام فرید کی وفات ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔

(ا)

چور چکاری استغفار
بخشے مجھ کو رب غفار

گندی عادت گندے فعلوں کی
توبہ توبہ لکھ لکھ وار

کر کر سخت گناہ پچھتائی
تو ہے میرا بخشن ہار

پیر پیغمبر تیرے بازو
تو مالک تو کل مختار

مجھ بدعملی پر کر رحمت
جس دن ہو گا کوئی نہ یار

میں بے چاری بے بس بے دم
بدصورت اور بدکردار

تیری شان ہے فضل و کرم کی
مجھ میں جھوٹ اور عیب ہزار

آئے یاد گناہ پرانے اے
بٹ بٹ رووں زار و زار

قبر کی رات اور دن محشر کا
سرپر ٹوٹے بارو بار

میں مسکین "فرید" ہوں تیرا
تجھ بن کون اتارے پار

(۲)

جائیں گے سانجھ سویرے
خالی ہونگی جائیں

دو دن کا ہے سب کا ٹھکانہ
آخر کو اڑ جائیں

ملک بے گانہ دیس پرایا
جھوٹی سب بنائیں

نا کوئی سنگی نہ کوئی ساتھی
کس کو درد سنائیں

قسمت سے یہ دھرتی دیکھی
آتا کون اتھائیں

حسن نگر کو ہوا روانہ
یارب توڑ پہنچائیں

مانگوں دعائیں اللہ سائیں
وچھڑیا یار ملائیں

(۳)

ہوئی تابع خلقت سب
تو کیا ہو گیا
تھا گم ہونا مطلب
تو کیا ہو گیا

تیرے رشد و ہدایت بھی گرچہ
جا پہنچے ملک عرب
تو کیا ہو گیا

پڑھ کر وید، پران، صحائف
گر سیکھا علم، ادب
تو کیا ہو گیا

سارے جگ پر حکم چلایا
پا شاہی کا منصب
تو کیا ہو گیا

دنیا میں بھی عزت پائی
عقبیٰ میں بھی لذت
تو کیا ہو گیا

اپنے قول افعال سے تو نے
گریار کو ڈھونڈ لیا ہے
تو کیا ہو گیا

شعر “فرید” ترا جا پہنچا
ہند‘ سندھ‘ دکھن‘ پورب
تو کیا ہو گیا

(۴)

چھوڑ الفت غیر خدا کی
ہر شے وہم خیال

کیا لیلیٰ کیا مجنوں
کیا سوہنی مہینوال
کیا رانجھن کیا کھیڑے
کیا ہے ہیر سیال
کیا سسی کیا پنوں
کیا ہے درد ملال

بے الفت احد حقیقی
ہر شے عین زوال
کیا سیفل کیا پریاں
کیا ہے ہجر، وصال

سچ ہے ذات اللہ کی
باقی جھوٹ پلال
دن ہیں چار بہار کے
پت جھڑ کا پھر سال

یار "فرید" کو بھولوں
مشکل محض محال

(۵)

ہر جا ہوت پنل ہے
صوفی! سب پہچان

نہیں مثال جب اس کی کوئی
سب شے اس کو جان

دائم ذات خدا کی
باقی ہر شے فان

لامحتاج سوائے اللہ
ہے یہ فقر کی شان

ہر جا نور ظہور اسی کا
اپنا دین ایمان

حق کے بنا سب باطل
دھیاں رکھیں ہر آن

علم "فرید" ہے حاجب
بے شک بے عرفان

(٦)

کیسے فرد اور جزو کہلاویں
تو کَلی تو گل

باغ بہشت کا تو ہے مالک
خود بلبل خود گل

عرش بھی تیرا فرش بھی تیرا
تو دولت بے مل

چڑھ سولی منصور کے بھائی
کرتے ہیں سب غل

روح مثال شہادت تیری
سب پہچان نہ بھل
دنیا، عقبیٰ برزخ اندر
نہیں ہے تیرا تل

یار فرید! کون ہے تیرا
نہ بیہودہ رل

(۱)(تول برابر)

(۲) (آوارہ ہو)

(۷)

جگ وہم، خیال اور خواب ہے
سب صورت نقش بر آب ہے

گر پوچھو حال حقیقت
کچھ سوچ سمجھ رکھ عبرت
جیسے بحر محیط ہے وحدت
کل کثرت شکل حباب ہے

نہیں ہرگز اصل دوئی کا
دم نکل گیا ہے دوئی کا
خود جان ہے اِصل دوئی کا
پھر وہی وہ آب کا آب ہے

مت کافی جان "کفایہ"
مت ہادی سمجھ "ہدایہ"
کر پرزے جلد "وقایہ"
یہی دل ہی اصل کتاب ہے

ہے پریم گیان بھی دلڑی
ہے "وید" "پران" بھی دلڑی
ہے جان جہان بھی دلری
دل بطن بطون کا باب ہے

دل در ہے کون مکاں کا
دل بنے اصل جہاں کا
دل مرکز زمیں زماں کا
باقی جھوٹ ہے اور حجاب ہے
یہ صورت میں ناسوتی
اور معنی دے ملکوتی
جبروتی ہے لاہوتی
دل اندر سب اسباب ہے

رکھ دل میں دھیان "فریدی"
اور چھوڑ دے پیر مریدی
ہے دوری سخت بعیدی
دل سکھ کے لئے بے تاب ہے

(۸)

زیور گہنے کیسے سجاؤں
اس نے کیا ہے نامنظور
کیسے اپنی مانگ بناؤں
کجلا ڈالوں، سرخی لگاؤں
ہے دلدار مرا اب دور

بیت پرانی پاگل کر گئی
عشق آنوکھا نس نس پھیلا
طرز نیاز ہماری فطرت
اس کے قدم کی خاک ہے قبلہ
حسن ازل کی چال غرور

ساری سہیلیاں سیج سجائیں
یار کو اپنے گلے لگائیں
اک بیچاری میں مجبور

وادی ایمن تھل کے نظارے
جہاں چلیں اونٹوں کی قطاریں
پتھر رہتے ہیں کوہ طور

“ملا” مجھ کو سخت ستائیں
میرے درد کا بھید نہ پائیں
بے چارے بے بس، مجبور

ملاؤں کے وعظ نہ بھائیں
بے شک اپنا ہے ایمان
"ابن العربی" کا دستور

کہہ سبحانی بن "بسطامی"
عاشق مست مدام ملامی
بول انالحق ہو "منصور"!

حسن پرستی عین عبادت
شاہد مستی صرف سعادت
غیبت، غفلت محض حضور

ریت "فرید" کی الٹی ساری
بے یہ صوم صلواۃ تو عاری
رندی مشرب ہے مشہور

(۹)

ہجر میں ایسے جکڑے
سارے دھندے چکڑے (چک گئے)

پیت کی چاشنی چکھی
بھول گئے سب دکھڑے

عشق کی رمز نہ جانیں
یہ ملوانے رکھڑے (روکھے)

رب نے علم دیا ہے
شرع مسائل مکڑے (ختم ہوئے)
ہمہ اوست کا سبق پڑھا
سب جھیڑے جھگڑے مکڑے (ختم ہو گئے)

اس کی راہ چلوں گی
سر ہو جائے ٹکڑے

محض "فرید" نہیں کوئی حاجت
ہم ایک نظر کے بھکڑے (بھوکے)

(۱۰)

ایک الف ہے بس او میاں جی

اور کہانی دل کو نہ بھائے
الف گیا دل چھن او میاں جی

بے اور تے کی فکر نہیں ہے
الف کیا بے بس او میاں جی

رکھ دے فقہ اصول کے مسئلے
سبق فراق کا بتا او میاں جی
ہجر کی چوٹ لگی گر تم کو
بچوں کو دیگا بتا او میاں جی

سبق فراق کا گر نہ پڑھایا
جاؤں گی پھر میں بھاگ او میاں جی

ہجر ہی سیکھو ہجر پڑھاؤ
ہے شابش شابش او میاں جی

جیتے جی اس کی ہی رہونگی
بھولی اور ہوس او میاں جی

منتر پڑھ کوئی پریت کا مجھ پر
ہٹ جائے یہ ہستی او میاں جی

الفت گھر کی “در کی” زر کی
رہی نہیں اک خس او میاں جی

رانجھن میرا میں رانجھن کی
کھیڑوں کے منہ خاک او میاں جی
چھوڑ نگر جاؤں گی جنگل
علم عمل بے شک کھو جائیں
عشق پڑا کن رس او میاں جی

آخر عشق میں جان دے دونگی
مت جانیں کھیل ہی او میاں جی

عشق پرانا پیش پڑا ہے
نہیں قلم اور روشنائی او میاں جی

اک دو دن کی نہیں میں اس کی
روز ازل سے تھی او میاں جی

عشق سے منہ “فرید” نہ موڑوں
روز نئی ہے لذت او میاں جی

(۱۱)

عشق مرا انصاف طلب ہے

ظلم کے بعد بھی چاہوں تجھ کو
سجدے بھی ہیں تیری جانب
تیرے گرد طواف

تیری صورت، سیرت پر میں
دل کو کروں نثار

میرے تن من کا تو مالک
کھا کر قسم کہوں

ہر جا تیرا روپ انوکھا
عبد ہو یا معبود

تیری کنیز "فرید" ہوں ہر دم
تو چاہے نہ چاہے

(۱۴)

یار کو کر مسجود
چھوڑ دے ہر معبود

ہر صورت میں یار کو دیکھو!
غیر نہیں موجود

سب اعداد کو سمجھو واحد
کثرت ہے مفقود

پیارے ”فخرالدین“ کی خاطر
دم دم نکلے دود

ملا وصال ”فرید“ کو اس دم
جب ہو گیا وہ نابود

(۱۳)

روتے عمر گنوائی
یار کی خبر نہ آئی

بھاگ سہاگ سنگار بھلایا
دل سے بھلایا ماہی

دور گیا مڑ کر نہیں آیا
مروں گی کھا کر پھاہی

عشق کے ظالم شعلوں نے
دل میں آگ لگائی

جوبن کا ہر روپ گنوایا
پیارے فخرالدین کے عشقوں
دم دم پیڑ سوائی

یار "فرید" نہ آیا واپس
میں ہو گئی ختم اجائی

(۱۴)

اس کے ناز اور نخرے
دم دم کرتے جنگ
نیزے، تیر تفنگ
قہری ناز نظر کے

زلف ہے ناگ اور ابرو بچھو
ماریں ڈنگ سک
چیخیں زخم جگر کے

سانول کی ہے طرز انوکھی
تن نازک دل تنگ
بالکل مہر نہ کرتے

ہجر نے ہم کو خلعت بھیجی
سبز اور پیلا رنگ
سو سو درد اندر کے

عشق نے چھوڑا شرم بھرم کو
کیا ناموس اور ننگ
گزرے وقت صبر کے

حال یہ اپنا یار "فریدا"
دل نے کیا ہے تنگ
نہ زندہ نہ مردے

(۱۵)

میں رو رو عمر نبھائی
سب راحت خوشی گنوائی

بے شک تیغ اجل کی
نظریں تیر چلائیں کاری
پلکیں کریں لڑائی

عشوے غمزے ناز اور نخرے
اور لوگوں کے طعنے

حسن ملاحت شکل شباہت
ساری ادائیں سدھائیاں

آنکھیں لال اور آنسو جاری
پلکیں اجڑی پچڑی

لوگ یہ سمجھیں آنکھیں آئیاں
ظالم ہجر چبھائیاں

مفت ملامت، سخت ندامت
شہر ہوا ناراض

کوچے یار "فرید" نہ آیا
ماتھے لکھیاں پائیاں

(۱۲)

کیا عشق نے روگ لگایا ہے
بن دکھ کے کچھ نہ پایا ہے

عشق نہیں یہ نار غضب کی
تن من کیا ہے (کوئلے)

دکھ میں جلتے، آہیں بھرتے
ساری عمر گزاری

نا کوئی سنگی نہ کوئی ساتھی
نہ کوئی پوچھے حال

عشق سے زیادہ نہ کوئی دشمن
خویش قبیلہ ہے ناراض

ہر کوئی جانے ہر کوئی سمجھے
یار کے ٹھور ٹھکانے

ساری سہیلیاں ٹوکیں ماریں،
عزت، بھرم گنوایا

شہر بازار اور گلیاں کوچے
لوگ مزاق اڑائیں

بات نہیں یہ آج اور کل کی
ازل سے تھا قسمت میں

بے نشان سجن کی خاطر
بے نشان ہوئے ہیں

غم کی مالا گلے میں ڈالی
رو رو حال خراب

پیت بنا کوئی ریت نہ بھائی
مفت ملامت (اٹھائی)

یار "فرید" نے بات نہ پوچھی
رو رو خلق رولائی

(۱۷)

یار بنا کیا جینا
دلدار بنا کیا جینا

ماہی مجھ سے دور ہوا ہے
میں ہجر کے دشت میں کھوئی

ترس نہ آیا اک پل اس کو
میں رنج والم میں روئی

کوچہ، آنگن دل کو نہ بھائے
ہجر کی آگ ستائے

شرم، حیا سب بھرم گنوایا
میں رل گئی کوچے گلیاں

عشق "فرید" بہت دکھ دیگا
میں جیتے جی مرجاؤں

(۱۸)

قسمت نے حالِ بتایا ہے
اب وقت جدائی آیا ہے

دکھ بڑھے، آرام ہوئے کم
رنج نے دل میں ڈیرے ڈالے
چرخا دکھ سے روں روں بولے

ہار سنگار بھلائے دل نے
کجلے اجڑے، سرخی بکھری
آس گئی اور یاس آ پہنچی
تن من کرتے بین

نازک بستر دار برابر
گل کے ہار ہیں خار برابر
صحن، حویلی بار برابر
ہر شے رنج بڑھائے

بخت گیا بد بختی جاگی
کنگن چوڑیاں ریزے ریزے
جیتے جی محبوب کو دیکھوں
جان نکلتی جاتی ہے

نظر نہ آئے رانجھن ماہی
کر گیا بے بس دل کو
رنج اداسی نے تڑپایا
صبر آرام گنوایا ہے

درد سے چہرہ پیلا، ساوا

نیل دوپٹہ چولا کالا
تجھ بن اپنا جان برا ہے
ہر کوئی دھتکارتا ہے

رسم رواج ہوئے سب الٹے
وصل، وصال کے ناطے ٹوٹے
نین بے چارے رو رو تھکے
درد سے دل کرلاتا ہے

چیتر، بہار خزاں جیسی ہے
ہر قریہ ویران ہوا ہے
ادھر ادھر کی خبر نہیں ہے
وحشی روہی ڈراتی ہے

یار "فرید" نے بات نہ پوچھی
آرزوؤں نے آگ لگائی
قسمت غوطے دیتی ہے

(۱۹)

رانجھن دل کا مان
ہمارے من کو بھایا

ہردم ہووے ساتھ ہمارے
کر رکھوں دل پاک

شاید گلے لگاوے
رات کو پیہم روتے روتے

روشن صبح ہوئی
کیوں نہیں گلے لگایا

مل جل میگھ ملہار منائیں
ساون کی رت آئی

تن من تیری آس
درد سے ٹھنڈی آہیں نکلیں

رو رو کروں پکار
غم نے خوب ستایا

یار "فرید" سے وعدہ کر کے
اس نے نہیں نبھایا
واپس پھر نہیں آیا

(۲۰)

کیا دل کا حال سناؤں
کوئی محرم راز نہ پاؤں

صحراؤں کی مٹی چھانی
سب نام اور ننگ گنوایا
کوئی پوچھنے پھر بھی نہ آیا
الٹا جگ سارا ہنستا ہے

ہے بوجھ فراق کا بھاری
ہوئی شہر بہ شہر خواری
روتے ساری عمر گزاری
نہ پتہ چلا منزل کا

دل تڑپے یار کی خاطر
اور تڑپ تڑپ غم کھائے
دکھ پائے رنج اٹھائے
ہے طور یہی اب دل کا

کئی وید حکیم بلائے
سو دارو گھول پلائے
پر دل کا بھید نہ پائے
ہوا فرق نہیں اک تل کا

“پنوں” ہوت نے بات نہ پوچھی
مجھے چھوڑ کے کیچ سدھایا
سب جانتے مجھے رولایا
میں نے اونگھ کا عذر نبھایا

سن لیلےٰ کی فریادیں
ترا مجنوں زار نزار ہے
مرا یار اگر اک بار
محمل سے منہ دکھلائے

دل پریم نگر کا خواہشمند
ہے قدم قدم دشوار
نہ راہ “فرید” نہ رستے
یہ سفر بہت مشکل ہے

(۲۱)

حسرت مارے آس جلائے
وطن نہ بھولیں رانجھن والے

ہجر فراق کا مشکل رستہ
سانس نہیں، ہیں خنجر بھالے

رستے میں سد پیچ وخم ہیں
پاؤں میں پڑ گئے چھالے

دل ہی ازل سے دکھوں بھرا ہے
کیسے ہوش سنبھالے

جیتے جی میں دیکھوں سجن کو
مولا بار غموں کے ٹالے

عشق نے بھیجی ہیں سوغاتیں
درد، اندیشے، روگ، کشالے

عادت سب حسینوں کی ہے
جھوٹ، کج، فریب، اور چائیں

یار "فرید" نہ اترے دل سے
لطف سے دیکھے یا نہ بھالے

(۲۲)

یار ضرور ملے گا
دل! نہ غمگین ہو

چھوڑ کر سیج گلوں کی
جا! محبوب کی ہو

باندی بردی یار کی
بردی باندی ہو

چھوڑ کے الفت غیر کی
اے دل! فارغ ہو

عشق میں جینا مشکل
پنلؔ آسرا دے

شوق "فرید" کہے ہے
تھل کی طرف چلو!

(۲۳)

دھیرے دھیرے ٹور
رتھ کو دھیرے دھیرے ٹور

میری چوڑیاں نرم و نازک
لگے نہ انہیں ٹکور

رتھ پر بیٹھوں دھڑک نہ بھائے
ہوں میں بہت کمزور

روز ازل سے گلے میں ڈالی
پیارے ترے کی ڈور

شالا مال سلامت لاؤں
رستے میں ہیں چور

رتھ کی تھکن ستائے گی تو
گھوڑا میں لوں گی بور

سیدھا، تیز لگام کا آساں
نہ مشکل منہ زور

رانجھن اور میں جوڑ ہیں دونوں
رب نے بنایا جوڑ

اس کی طلب اور چاہت دل میں
روز مچائے شور

سفر ہے مشکل دل خواہشمند
رب پہنچائے توڑ

(۲۴)

عشق انوکھا سخت برا ہے
سر پر بار اجل کا آیا
یار مرا ملہیر سدھایا
واپس کوئی پیغام نہ آیا
پھرتا شہر آوارہ ہوں

کیچیوں کی کوئی خبر نہ آئی
مفت میں روتے عمر گنوائی
یار مرے کچھ کام نہ آیا

دکھ ہی دکھ قسمت میں آئے
اجڑے جنگل ہوئے پرائے
دل میں درد ہزاروں ہیں

پتھر کانٹے راہ جبل کے
مشکل رستے مارو تھل کے
جان غموں میں ہاری ہوں

تھل کی ریت نے پاؤں جلائے
چھلک چھلک جاتے ہیں چھالے
قسمت میں آئی خواری ہے

راہ جبل کی سخت ہے گھاٹی
ہر جانب ہیں مشکل رستے
واہ واہ یار کی یاری ہے

عشق "فرید" ہوا نہ ہمدم
ہے ہے بخت ہوا نہ آساں
ہوت بھلا کر چلا گیا

(۲۵)

ساون برکھا بادل لاوے
کوک کوک پاپی رے پپیہا
ہوک ہوک تن آگ لگاوے

کوئل، کونج مہوڑا بولے
دکھیاری کے دل کو جلاوے
نین چین جھگڑت جھکڑت
ترپھٹ ترپھٹ رین بتاوے

چھتیاں دھڑکیں جیارا لرزے
تجھ بن کالی رین ڈراوے
روم جھوم رت برکھا برسے
انگ انگ رس دھوم مچاوے

بیت گئے دن رین دکھوں کے
کھو پیا کو سیج سہاوے

یار "فرید" نے پیت نہ پالی
انگ انگ برہن مرجھاوے

(۲۶)

ساون برکھا گھیر گھیر آئی
آ! سجناں موڑ مہار

رو رو تیرے رستے دیکھوں
دن کو کاگ اڑاوں
تنہا رات میں فال نکالوں
دن کو چین نہ آئے
بناں تمہارے کیچ کے والی
کیسے عمر گزاروں

روز ازل سے میں ہوں تیری
اب کیوں دور ہوا ہے
ویرانوں سے عشق ہوا ہے
بھولے شہر بازار

ملک ملیر آباد ہوا ہے
ہر جانب گل گلزار

صحراؤں میں ندیاں پھیلیں
رم جھم بادو باراں
رنگا رنگ دھنک میں دیکھوں
مچھلیاں سو ہزار

سرخ درخت پہ کونپلیں پھوٹیں
سبز، زرد اور پتیاں لال
صبح سویرے چھاچھ بلوتی
سیٹیوں کی آواز

گائیں، بکریاں الڑ بھیڑیں
چیرتیں جوڑ قطار

یار "فرید" ملے دل خوش ہو
میلا ویس اتاروں

(۲۷)

پردیسی ڈھولا!

ٹھنڈی ہوا چلی
ساون کی برساتیں آئیں

صحرا میں پھول کھلے
بادل گرجے، بجلی چمکی

شوق سے دل لہرایا
ریت پہ سبزہ اگ آیا ہے

جیسے سیج پہ دلہن
موج بہار سہائے

تالابوں میں پانی چھلکا
کون بھلا سندھ جائے

روز ”فرید“ نئی ہے لذت
دل کا پھول کھلا ہے

(۲۸)

روہی میں رہتی ہیں
نازک نازک جٹیاں

شب کو کریں شکار دلوں کے
دن کو چھاچھ کی مٹیاں

چھپ چھپ تیر چلائیں ظالم
سینکڑوں دلیاں پٹیاں

کر کے دردمندوں کو زخمی
باندھیں نہ ہرگز پٹیاں

چرنے جائیں گائیں، بھیڑیں
"لیلے" "گابے" "کٹیاں"

بھولے مسافر آکر پھنس گئے
"چور کتونے ترٹیالا"

فقر اپنایا دھونی رمائی
فخر وڈائیاں سٹیاں

یار "فرید" اداسی آئی
اج کل خوشیاں گھٹیاں

(۲۹)

آچنیں چل یار پیلوں پکیاں نی

کچھ سفید اور نیلی پیلی کچھ ہیں سبز اور لال
رنگ میں رنگیاں نی

جنگل بیلہ شاد ہوا ہے
گل سڑ گئی جڑ دکھ اور غم کی
ہرجا باغ بہار
لذتیں چکھیاں نی

پیلووں پر آئی ہیں بہاریں
کسی کے ہاتھ میں ٹوکری ہے
کسی کے سر پر کھاری

کسی نے بڑھ کر ٹوکری بھر لی
کسی نے اپنی کھاری
کچھ نے لگایا ڈھیر
بھر بھر پچھیاں نی

جال کے پیڑ آباد ہوئے ہیں
اجڑے چہرے شاد ہوئے ہیں

پل پل خوشی ہزار

حوراں پریاں ٹولے ٹولے
حسن کی ٹھنڈک ہجر کے شعلے
راتیں موج بہار

خوب ہیں ان کے حسن کے غمزے
ابرو تیغ اور تیر نظر کے
تیز بہت ہتھیار
دلیاں پٹیاں نی

کئی لیتے ہیں تول کے ان سے
کچھ لے آئیں ڈیوڑھے کر کے
کچھ بیٹھیں تھک ہار
ہٹھیاں ٹھکیاں نی

ایک طرف ہیں عشوے غمزے
اور ادھر خیراتی بکھرے
مرنے کو تیار
ریتاں رسیاں نی

پیلوں چنتے چنزی لیراں
چولا بھی ہے لیر کتیراں

شکوے کریں ہزار

ساتھیں، سکیاں نی

آئیں وہ پیلوں چننے کی خاطر
آخر ہوئیں "فرید" کی طرح
چھوڑ آرام قرار
ہکیاں بکیاں نی

سائیں احمد علی

(۱۸۴۲ء-۱۹۳۷ء)

مترجم

پروفیسر محسن احسان

احمد علی سائیں
(۱۹۳۷ء-۱۸۴۲ء)

راشد متین

فصیلوں کے اندر بسنے والا شہر پشاور زیادہ تر ہندکو بولنے والوں سے بھرا پڑا ہے۔ تخلیق پاکستان سے قبل اندروں شہر پشاور کے زیادہ تر باسی ہندکو ہی بولتے تھے۔ ہندکو جو کہ بظاہر پنجابی' زبان کا ہی ایک لہجہ معلوم ہوتی ہے۔ خاصی بڑی تعداد میں لوگ ہندکو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ پشاور کے علاوہ کوہاٹ' نوشہرہ اور چند دوسرے بڑے قصبوں میں بھی ہندکو مادری زبان کی حیثیت سے بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اس زبان کی شعری روایات بھی بہت پرانی ہیں اور ہندکو شاعری میں لوک گیتوں اور صوفیانہ شاعری کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔

صوفیانہ طرز فکر کے حامل ہندکو شعراء میں سائیں احمد علی کو ممتاز ترین حیثیت حاصل ہے۔ جو ۱۸۴۲ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے باقاعدہ تعلیم کبھی بھی حاصل نہیں کی۔ بلکہ حصول علم کے ممکنہ اقدامات از خود کیے اور کئی ایک زبانیں نہ صرف سیکھی اور سمجھی بلکہ ان میں شاعری بھی کی۔ وہ ابھی کم عمر ہی تھے کہ انہوں نے ہندکو شاعری میں خاصا بڑا مقام حاصل کر لیا۔ کیونکہ ان کے آباء شیراز سے افغانستان کے راستے پشاور آئے تھے اور ان کی مادری زبان فارسی تھی اس لئے سائیں احمد علی کو یہ زبانیں سیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی ان کی زیادہ تر شاعری سی حرفیوں پر مشتمل ہے جو کہ ایک مقبول صنف سخن ہے۔ ان کی شاعری اس قدر عالمانہ

اور مفکرانہ موضوع پر مشتمل ہے کہ کوئی بھی شخص یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ان پڑھ شاعر کی تخلیق ہے ان کی شاعری کے صوفیانہ انداز نے انہیں عوام الناس میں بے حد پذیرائی بخشی وہ اپنی شاعری میں بے حد گنجلک اور فکری موضوعات کو اس قدر سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کرتے ہیں کہ عام ذہنی سطح کا شخص بھی اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وارث شاہ کا تحریر کردہ قصہ ہیر رانجھا اور میاں محمد بخش کا قصہ سیف الملوک جو ان کے دور میں بے حد مقبول تخلیقات تھیں ان کے لئے صوفیانہ تجربوں کی حیثیت رکھتی تھی اور وہ اسی بناء پر عوامی انداز کے ساتھ ساتھ اپنے شعری تجربوں کی صورت میں عوام الناس سے منسلک تھے وہ اپنے دور میں مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر مقبول تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو کبھی بھی پیر اور مرشد کی حیثیت نہیں دی۔ سائیں احمد علی نے ۱۹۳۷ء میں پشاور میں وفات پائی۔

(۱)

میں حاسد کی حسد سے قطعا” خائف نہیں ہوں
کہ وہ میرا کیا بگاڑ لے گا
میرا تو اس کی حسد سے کچھ نہیں بگڑے گا
البتہ وہ حسد کی آگ میں خود کو جلا لے گا
میں اس سے کمزور نہیں ہوں
کہ دبک جاؤں
کیونکہ میری تخیل کی بلند پروازیاں
اس کو پلک جھپک میں پچھاڑ دیں گی۔

(۲)

اے واعظ تو بخوشی مسائل بیان کر
مگر اس میں تلخ لب و لہجے سے گریز کر
جس سے اپنے پرائے کے دل کو دکھ پہنچے
ایسی کوئی بات بھی زبان پر نہ لا
وہ بخشنے والا گناہ گار کو بخشش دے گا
تو اس دنیا کو جہنم کی آگ میں تبدیل نہ کر
اے سائیں تو اپنے اعمال سے اپنی زندگی سنوار
اور بد عمل کی برائیوں کی طرف دھیان نہ دے۔

(۳)

زمانے کی ہوا کا رخ بدل گیا ہے
عاقل اب جہلا کو بے شعور نظر آتے ہیں
جس کے اپنے دل میں کھوٹ، ہو
اسے تمام مومنوں کے دلوں میں کھوٹ نظر آتی ہے
ان کی آنکھیں سورج کی روشنی سے چندھیا جاتی ہیں
اس لئے انہیں چمگادڑ بھی لنگور دکھائی دیتے ہیں

اے سائیں خدا کی ساری مخلوق اشراف ہے
صرف خنزیر کو خنزیر ہی نظر آتے ہیں۔

(۴)

عروسانِ چمن کے لئے
دائیہ باد مراد سنگھار کا ساز و سامان لاتی ہے
برگ و بار سے محروم درخت سبز
پوش ہو کر نہال ہو گئے ہیں
خزاں کی سخت بیماری گزارنے کے بعد
بلبل زار کو ہوش آیا ہے
لیکن اے سائیں میرے سوختہ گلشن میں
بہار لوٹ کر نہیں آئی۔

(۵)

میری آنکھ کھرے کھوٹے کی پہچان رکھتی ہے
اور میں نیک و بد میں امتیاز جانتا ہوں
نہ مجھے یہ خواہش ہے
کہ میری قدر و منزلت کی جائے
اور نہ ہی میں کسی کی سرپرستی چاہتا ہوں
میرا پختہ ایمان مشکلات و مصائب میں متزلزل نہیں ہوتا
اے سائیں خدا نے مجھے معجز بیانی کے شرف سے نوازا ہے
اور میرے لب و لہجے میں تاثیر بھر دی ہے۔

(٦)

تو اپنے کونسے اعمال کا
حساب لے کر حضور خدا جائے گا
تیرا سب تکبر وغیرہ یہیں دھرے کا دھرا رہ جائے گا
تجھے سفر آخرت پر جانا ہے
جہاں سے لوٹنا ممکن نہیں
اے سائیں تو عدم سے اس دارالفنا میں روتا ہوا آیا

اور یونہی روتا ہوا یہاں سے جائے گا۔

(۱۰)

اے خالق کائنات
میں نے تیری خدائی کی رنگا رنگی دیکھی ہے
کہیں دل بخل سے بھرے
اور کہیں یہ آئینے کی طرح شفاف نظر آئے
دولت کی ہوس اور جھنکار بری ہے
کہ یہ کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے
اے سائیں، اس کا لطف و کرم بے حساب ہے
اور اس کی کبریائی کی شان سب سے اعلیٰ ارفع ہے۔

(۱۱)

اے خدا تو دلوں کا حال جانتا ہے
میرے پاس الفاظ نہیں کہ بیان کروں
میں تو تیری مرضی کے خلاف
کہیں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتا
جو تجھ سے منکر ہیں
میں ان سے ہمکلام بھی نہیں ہوتا
تو مجھے جس حال میں رکھے
میں اسی حال میں رہنا پسند کرتا ہوں۔

(۱۲)

جبرائیل ہر صبح و شام
طواف کر کے روضۂ رسولؐ کو بوسہ دیتا ہے
سرکار جہاں کہیں بھی قدم دھرتے ہیں
وہ خاک اس ٹکڑے کو چومتی ہے
میں نے جب کبھی ان کا نام لکھا
تو کاغذ نے قلم کا منہ چوم لیا
اے سائیں میرے رسول کے قدم جب عرش پر پڑتے ہیں
تو عرش انہیں بار بار بوسہ دیتا ہے۔

(۱۳)

شہنشاہوں کا جاہ و جلال بھی
آپ کے در کے دربانوں سے کمتر ہے
آپ کے براق کی تیز رفتاری کے سامنے
کوندے کی لپک بھی ماند ہے
امی ہونے کے باوجود بھی
ہر علم پر آپ کو دسترس حاصل ہے
تمام عالموں کا علم آپ کے سامنے بے وقعت ہے
آپ کی محبت کے سامنے خلد کم
اور آپ کے غضب کے آگے نار دوزخ ہیچ ہے۔

(۱۴)

اے غفلت میں وقت بسر کرنے والے
تو گزرے وقت کو روئے گا
تیرے سامنے مشکلات راہ ہیں
جنہیں تو نے پار کرنا ہے
روز محشر نیک و بد الگ الگ ہوں گے
اے سائیں تو اپنے سیاہ نامہ اعمال کو کہاں دھوئے گا
ابھی سے اس کی فکر کر۔

(۱۵)

جب اچانک بچھڑے دوست ملیں
اور خیریت و عافیت دریافت کریں
تو پھر دشمنوں کا شکوہ کون کرے
میں نے سو سو طرح قضا کو ٹالنے کی کوشش کی
مگر یہ کہیں اپنی چال نہیں چھوڑتی
میرے جسم کے سیاہ بال سفید ہو گئے
مگر اے سائیں
بدنصیبوں کی تیرہ بختی ختم نہیں ہوتی۔

(۱۶)

موسم بہار آپہنچا
اے ساقی میرے تہی ساغر کو لبریز کر دے
جس کے پینے سے درد و الم جاگ اٹھیں
اس نشے کے اثر کو بلا انگیز کر دے
اے مے فروش
سائیں کو جس حسن کی تلاش ہے
وہ اس کی آنکھوں پر
اپنی شراب کی تاثیر سے عیاں کر دے۔

زنجیری دار

بانسری کو کس نے ایجاد کیا
اور کس نے اس کو رفعت آشنا کیا
یہ کس کا دور تھا جس نے اس کو صاحب فریاد بنا دیا
کس کی بانسری سارے سنسار میں نغمے بکھیر رہی ہے۔

وہ کون لوہار ہے
جس نے تار بنائی
اور وہ کون نجار ہے
جس نے لکڑی کو تراشا
ایسے ساز کا کون استاد ہے
جس کے تار بغیر چھوئے فضا میں نغمے لٹاتے ہیں۔

کون بولتا ہے اور کون بلواتا ہے
کون سنتا ہے اور کون سنواتا ہے
وہ کونسا جوگی ہے
جو پھونک مارے بغیر اس سے سر پیدا کر رہا ہے۔

یہ ایک ہی طرح کے دیوانوں کی انجمن ہے
اور انہی کے دم سے عیش و ماتم بپا ہے
یہ سارے رازہائے مخفی سے شناسا ہیں
اور سمجھتے ہیں
کہ یہ بانسری بیکار
اور بے معنی طور پر نہیں بج رہی۔

ہوشیار! کہ اس کا کوئی سر بے ربط نہ ہو
کیونکہ اس کے ہر بول میں ایک راز ہے
اور اس کی ہر گت میں کیف نیاز ہے
یہ کس کے واسطے مستانہ وار سر الاپ رہی ہے۔

ہر سر کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے
جو سر حسن کمال سے خالی ہو
اس کا کوئی لطف نہیں ہوتا
ذرا غور سے سن
کہ ہر سر اس ذات باری کا نغمہ خواں ہے۔

تاروں کے ہر سر سے
"ستار ستار" کی آوازیں ابل رہی ہیں
اور ستار کا کوئی تار بھی بے تال نہیں
ہر ایک تار سے آگ آگ کی صدا اٹھ رہی ہے
مطربا، تو نے کیسا دلکش ساز چھیڑ دیا ہے۔

وہ ذات باری ہر شے میں موجود ہے
ہر پھول ہر پتے سے اس کا جلوہ عیاں ہے
اے سائیں اس کے ہی نغمے
کل کائنات میں گونج رہے ہیں۔

کتابیات

کتابیات

احمد سید نظیر	کلام بلھے شاہ (اردو تعارف)	پیکیجز لمیٹڈ، لاہور	۱۹۷۶ء
احمد سید نظیر	کلام بابا فرید (اردو۔ سرائیکی)	پیکیجز لمیٹڈ، لاہور	۱۹۸۴ء
اجوانی۔ ایل۔ ایچ	History of Sindhi Literatuare ہسٹری آف سندھی لٹریچر	وینگارڈ، لاہور	۱۹۹۱ء
اختر حیدر	خواجہ میردرد (تصوف اور شاعری)	علی گڑھ	۱۹۷۱ء
الانہ جی	four Classical Poets of Sind فور کلاسیکل پوئٹس آف سندھ	جامشورو انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی	۱۹۸۳ء
انصاری عثمان	سچل سرمست رسالو سندھی	کراچی	۱۹۸۰ء
انور۔ غلام یعقوب	دی پاتھس ان نون The Paths Unknown انگریزی ترجمہ	مجلس شاہ حسین، لاہور انگریزی ترجمہ	۱۹۶۶ء
عاقل شفیع	سیف الملوک (میاں محمد سے ترجمہ پنجابی سے اردو)	انجمن ترقی اردو، کراچی	۱۹۹۰ء
آربیری، اے جے	کتاب صدق The Book of Truth Fulness (ابوبکر الخرز)	آکسفورڈ	۱۹۳۷ء
آربیری۔ اے جے	Sufism An Account Of the	جارج امین اینڈ انون لندن لمیٹڈ	

			۱۹۵۰ء
	Mystcs Of islam		
آربری۔ اے جے	Muslim Saints And Martyrs	لندن اینڈ بوسٹن	۱۹۶۶ء
	Episodes		
	تذکراۃ الاولیا۔ فرید الدین عطر	Rocil.Ledge and Keganpaul	
	Cicra 13c		
عطر' فرید الدین	تذکرہ الاولیا (انگریزی ترجمہ)	Inaberry	۱۹۶۶ء
ایاز شیخ	اردو ترجمہ (شاہ جو رسالو)	حیدر آباد	۱۹۶۳ء
بلوچ' نبی بخش	سوں شاہ عنایت جو کلام	ادبی بورڈ' جامشورو	۱۹۶۳ء
		حیدر آباد سندھ	
بلوچ سردار خان	A Literary History Of	بلوچی اکیڈمی' کوئٹہ	۱۹۸۴ء
	the Baluchis Vol-2		
بیل جورف نامنٹ	Love Theory In Laler	اسٹیٹ یونیورسٹی آف	۱۹۷۹ء
	Hanblite Islam	نیویارک پریس' نیویارک	
بھٹی عبدالمجید	شاہ حسین (اردو ترجمہ)	لوک ورثہ' اسلام آباد	۱۹۶۱ء
	An Introduction To Safi	سہیل اکادی' لاہور	۱۹۷۶ء
Butrckhardftitus	Doctrine...		
	(Tyran.D.M.Matheson3)		
چشتی نور احمد	تحقیقات چشتی	کوہ نور پریس' لاہور	N.D
Dames M Longworth	Popular Poetry Of The	لندن	۱۹۰۷ء
	Baloches Vol 142		
درد' میر	چہار رسالہ	بھوپال	۱۸۹۳ء-3A
درد' میر	علم الکتاب	بھوپال	۱۸۹۳ء-3A
دین' بیان فضل	مجموعہ ابیات سلطان باہو' پنجابی	انقلاب پریس اور	
		کشمیری بازار' لاہور	۱۹۱۵ء
الٰہی' مقبول	دوہے بابا فرید	مجلس شاہ حسین' لاہور	۱۹۶۷ء

دین محمد	باغ اولیائے ہند (پنجابی)	ND	
Ebfenbein.Josef.H	A.BalochiMiscellanyOf	Supp.No35ToAnnali	۱۹۸۳ء
	EroticaAndPoerty.Cadex	DellInStitute	۱۹۸۳ء
	OrientalAdditional24048	۱۹۸۳ء	
	ofBritishLibrary	Orientale(naples)34:2	
EnevoldsenJens	SelectionFromRehmanBaba	HerningDenmark	۱۹۷۰ء
		PoulKristensen	
فقیر، ایم فقیر	دیوان بلھے شاہ	لاہور	۱۹۶۰ء
فاروقی بشیر احمد	TheMujaddids.Conception	لاہور	۱۹۵۲ء
	ofGod		
گلراج جے پی	سندھ اور اس کے صوفی	سنگ میل، لاہور	۱۹۷۹ء
جیبی، عبدالحئی	د پشتو ادبیات تحریک (پشتو) کابل	۱۹۶۴ء	
حبیب میڈبلین	SomeNotesOnTheNaqsh		۱۹۶۴ء
	BandiOrderMuslimWorld59		
ہمدانی عین القدت	شکوہ الغریب (عربی سے ترجمہ)	GoergeAllenWnWin	۱۱۳۱
		A.U.arierry.AsufiMartyr	
		Ltd.Londor	
حامد، سلطان	مناقات سلطانی فارسی اردو)	حسین اسٹیم پریس، لاہور	ND
ہاشمی ظہور شاہ	بلوچی زبان و ادب کی تحریک اردو	سید ہاشمی اکادمی، کراچی	۱۹۸۶ء
HowellEvelynand	ThePoemsofKhushhal	پشتو، اکادمی، پشاور	۱۹۶۳ء
caroeolaf	KhanKhattak		
حسینی، اے، ایس	اویس القرنی اور اویسی صوفی		۱۹۶۹ء
	مسلم ورلڈ ۲۔۵۷		
ہجویری، علی	کشف المحجوب (فارسی سے	مقبول اکادمی، لاہور	۱۹۸۷ء
	اردو ترجمہ)		

اقبال، افضل	The Life and work of Jalal Uddin Rumi	پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس، اسلام آباد	۱۹۵۶ء
Izutsu. Toshihiko	The Basic Structure of Metaphysical Thinking In Islam In Mohajhegh Mehdi and Hersmann landoit (Collected papers on islamic Philosophy and Mysticism)		۱۹۷۱ء
جعفری۔ ضمیر	من میلہ (میاں محمد کی پنجابی کا اردو ترجمہ)	لوک ورثہ، اسلام آباد	۱۹۸۰ء
Jahani. Carina	Standardization of orlhography in the Balochi Longuage	اسٹاک ہوم	۱۹۸۹ء
جامی عبدالرحمن	نفاحت العرس	ایم توحیدی فرتہران	۱۹۵۷ء
جلال پوری۔ علی عباس	وحدت ابوجود تے پنجابی شاعری	پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور	۱۹۷۷ء
قاضی.عیا	رسالو آف شاہ عبداللطیف Selection TramsLation In English Fom Sindi (II Edition) 1981	سندھی ادبی بورڈ	۱۹۶۵ء
خان۔ انصار زاھد	The roll of Qadri Sufis In The religious Life of Sind In Khohro Hamida (ED) 1981 Sind Through The Centuries	آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی	۱۹۸۱ء

خٹک۔ پریشان	کلام خوشحال خان خٹک (8 جلدیں)((۸۔ والیومز) اردو ترجمہ	اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد	۱۹۸۷ء
کرشنا۔ رامالاجونتی	پنجابی صوفی شاعر ۹۰۰ء۔ AD۱۳۶۰	انڈس پبلی کیشنز' کراچی	۱۹۷۷ء
لاری۔ سہیل ظہیر	A History of Sind	آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی	۱۹۹۴ء
لطیف۔ سید محمود	ہسٹری آف' لاہور		۱۸۹۲ء
ملک۔ شہباز	میاں محمد بخش اردو دائرہ معارف اسلامیہ Encyclopedia of Islam in urdu VOL.21	یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور	۱۹۸۷ء
میر۔ میر مٹھا خان مری	درچین' بلوچی سے اردو ترجمہ (نظم)	اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد	۱۹۸۷ء
Massignon.Louis	La passion Dal Hoysan IBN Mansoor Al Hajj Aj1. Martyr Execute A Bagdad le26 Mystique De.I.Islam Mars 922.(2 VAL)	paris	
Mayne Petr	Saints of Sind	لندن	۱۹۵۶ء
مرزا محمد	تذکرہ اولیائے ہند (تین جلدیں)	موری پریس دھلی	۱۹۲۸ء
مرزا شفقت تنویر	بچل سرمست (اردو ترجمہ)	لوک ورثہ' اسلام آباد	۱۹۸۰ء
مومند۔ کامل اور مومند قلندر	دا رحمن بابا کلیات (پشتو)	عزیز خان' پشاور	۱۹۸۳ء
مفتی۔ ممتاز	سلطان باہو کے ملک چانن دین	ان قرشی	۱۹۸۰ء
نصیر۔ میر گل خان	دوستین شیرین (بلوچی سے اردو ترجمہ)	ادارہ ثقافت بلوچستان' کوئٹہ	۱۹۸۸ء

نیر۔ مختار علی	قدیم شعراء ہندکو۔ احمد علی سائیں (ہندکو) جلد۔ ۲		۱۹۹۱ء
NichoisinReynoed A	The Tarjaman A!.Ashwaq By A Collection of Mystical Oes By Mohyuddin IBM.al.arabi	لندن علی گڑھ	۱۹۱۱ء
نظامی۔ خلیق احمد	The Life and Times of Shaikh Farid UDDIN Ganjshakar	یونیورسل بکس، لاہور	۱۹۷۶ء
Nwyapaul	Eegese conigue of lanqag Mystiqus	بیروت	۱۹۷۰ء
قادری ایاز حسین رضوی سید وقار	کلام شاہ عبداللطیف بھٹائی (اردو ترجمہ نثر) چار جلدیں	اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد	۱۹۹۳ء
قدوسی، اعجاز الحق	تذکرہ صوفیائے سرحد	لاہور	۱۹۶۶ء
قریشی۔ مسعود	عکس باہو (باہو کے پنجابی بیت کا اردو ترجمہ)	لوک ورثہ پبلشنگ ہاؤس	۱۹۸۰ء
رفعت۔ توفیق	بلھے شاہ (انگریزی ترجمہ)	وین گارڈ بکس، لاہور	۱۹۸۲ء
رحمان عزیز	دیوان فرید (سرائیکی سے اردو ترجمہ)	عزیز المطابع پریس بہاولپور	۱۹۳۴ء
رحمٰن۔ طارق	Boy.:Love In The Urdu Gazal Annual of Urdu Studies (1990)		۱۹۹۰ء
English	A Histor of Pakistani Literature	Vanguard Press Lahore	۱۹۹۱ء
Raverty HG	Selection From The Poetry Of the Afghans	لندن	۱۹۶۲ء
صادق۔ محمد	A History of Urdu Litrature	آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی	۱۹۸۳ء
سرمست۔ سچل	سچل سرمست، سندھی، پنجابی فارسی اور اردو کلام	لوک ورثہ، اسلام آباد	۱۹۸۰ء

	ترجمہ شفقت تنویر مرزا		
سراج۔ ابو نصر	Kitab Al Lima Fit Tasawwaf ED. and translated A. Nicholson	Leikdn and London	۱۹۱۴ء
سرور۔ مفتی غلام	خازینات الاصفیہ (فارسی)	ہوپ پریس، لاہور	۱۹۶۷ء
سرور۔ مفتی غلام	تحریک مخزن پنجاب (اردو)	نول کشور پریس، لکھنؤ	۱۹۷۷ء
Schimmel Annemarie	Shah Abdul Latif NOS 3-4		۱۹۶۱ء
	The Martyre Mystic Hallaj in Sindhi folk Poetry Namen 9(1962)		۱۹۶۲ء
	Shah Inayat And Jhok A Sindhi Mystic of The early 18 Th Century In Liber Amicorun in Honour of C V Bleeker Leiden.		۱۹۶۹ء
	A Sincere Muhammadans Way To Salvation in Sharpe Eried And Hinnels John R(ED)	Memorial Vol SFC Brandon Manchester	۱۹۷۳ء
	Mystical Dimensions of Islam chapal Hill Carobira PRSS	The Universty North Carolina Press	۱۹۷۵ء
Seale Morress S.	The Ethic of Malamatiya Sufism and The Sermon on The Mount Moslem World 58.		۱۹۶۷ء
Shackle Christopher	Fifty Poems of KhawaJa Farid	بزم شفقت، ملتان	۱۹۸۳ء

	Introdaeed and inamolated in Eagbesh Vesse		
شاہ وارث	ہیروارث شاہ (پنجابی) (محمد شریف)	وارث شاہ میموریل کمیٹی لاہور	۱۹۸۶ء
شکوہ۔ دارا	حسنات العارفین (فارسی)		
سکندر۔ میاں محمد	عارف کھاری۔ وارث شاہ (میاں محمد عنبر)		۱۹۷۷ء
Smilh Margaret	Readings frow The Mystics of Islam	لندن	۱۹۵۰ء
Sorley HT.	Shah Abdul Latif of Bhit His Poetry Life and Times	سندھی کتاب گھر، کراچی	۱۹۴۰ء
سید نجم حسین	Lecurrent Patterns In Punjabi Poetry	پنجابی ادبی مرکز، لاہور	۱۹۷۸ء
	Patterns In Punjabi Poetry		
Usborne	Ballah Shah Sufi Mystic and poet of The Punjab	(۱) سوری پنجابی اکادمی، لاہور	۱۹۷۶ء
		(۲) ظہیر الدین محمد	۱۹۶۵ء
		(۳) نسل کشی، دارلعلوم، دھلی	
زیدی علی جواد	A History of urdu literature	سابتیہ اکادی، دھلی	۱۹۹۳ء
زمان۔ فخر	The Prisoner Translated from punjabi. Inglish by Khalida Hasan	الائیڈ پبلشرز (پرائیوی) لمیٹڈ، نئی دھلی	۱۹۸۴ء

ڈاکٹر طارق رحمن کی انگریزی کتابیات اردو ترجمہ محبوب عزمی

MYSTIC POETS of PAKISTAN

Urdu Translation

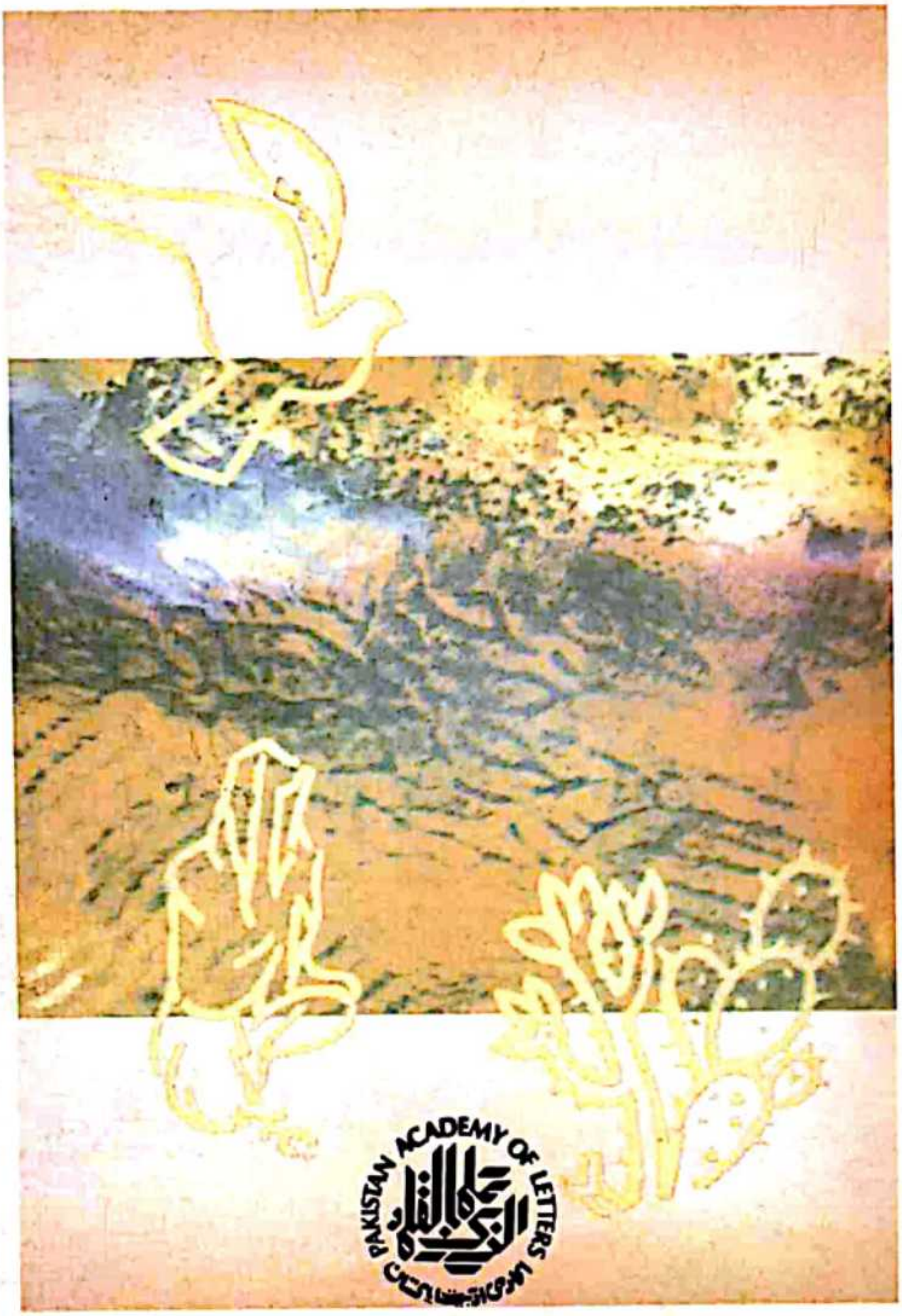

Pakistan Academy of Letters
Islamabad, Pakistan

ISBN-978-969-472-222-1